پیغامِ نکاح اور منگنی کی رسم

عام طور پر شادی کے دو مراحل ہوتے ہیں ایک منگنی یعنی رشتہ طے کرنے کی رسم اور اس کے بعد نکاح کا مرحلہ آتا ہے۔ اگر ہم شادی کے مرحلہ کو ترتیب وار دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ سب سے پہلے رشتہ تلاش کیا جاتا ہے اور رشتہ ملنے کے بعد منگنی کی رسم کی باری آتی ہے جس کی علامت انگوٹھی کو قرار دیا گیا ہے اور منگنی کے بعد شادی کی تکمیل کے لیے نکاح کا مرحلہ آتا ہے۔

ساتھی کا انتخاب

رشتہ تلاش کرنے کی ذمہ داری زیادہ تر لڑکی اور لڑکے کے والدین کی ہوتی ہے اور وہ خود رشتہ تلاش کرتے ہیں یا پھر کسی شخص کو یہ ذمہ داری سونپ دیتے ہیں۔ ہم چند مثالوں کا تذکرہ کرتے ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رشتہ تلاش کرنا والدین ہی کا کام ہے۔

☆ عام طور پر والدین یا ان کا مقرر کردہ شخص لڑکے کے لیے بیوی تلاش کرتا اور اس کی شادی کا انتظام کرتا تھا۔ بائبل کے مطابق ہاجرہ نے خود اسماعیل کے لیے بیوی تلاش کی:

''اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملکِ مصر سے اس کے لیے بیوی لی۔''⑦

اسی طرح ابراہیم نے اپنے بیٹے کے لیے اپنے نوکر کو بیوی تلاش کرنے کے لیے بھیجا۔ بائبل میں ہے:

''اور ابرہام نے اپنے گھر کے سالخوردہ نوکر سے جو اس کی سب چیزوں کا مختار تھا کہا.....تو میرے وطن میں میرے رشتہ داروں کے پاس جا کر میرے بیٹے اضحاق کے لیے بیوی لائیگا۔''⑧

☆ بعض اوقات لڑکا اپنے لیے خود بیوی تلاش کرتا ہے اور والدین اس کے لیے رشتہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بائبل میں اس کا ثبوت بھی ہے:

''سِکم نے اپنے باپ حمور سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے لیے بیاہ لا دے۔''⑨

☆ شاذ و نادر ہی کوئی اپنے والدین کی مرضی کے خلاف شادی کرتا ہے۔ بائبل کے مطابق عیسو نے والدین کی رضامندی کے بغیر شادی کی:

''جب عیسو چالیس برس کا ہوا تو اس نے بیری حتی کی بیٹی یہودتھ اور ایلون حتی کی بیٹی بسمات سے بیاہ کیا اور وہ اضحاق اور رِبقہ کے لیے وبالِ جان ہوئیں۔''⑩

منگنی

جب والدین کو اپنی بیٹی یا بیٹے کا مناسب جوڑ اور رشتہ مل جائے تو پھر ''منگنی'' کی باری آتی ہے۔ منگنی کی رسم کا تذکرہ عیسائی قانون ازدواج میں ملتا ہے۔ صاحبِ قاموس الکتاب منگنی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''منگنی' رشتہ مانگنے کی رسم۔ بعض مرتبہ لڑکے اور لڑکی کے والدین بچپن ہی سے اپنے بچوں کے لیے طے کر لیتے ہیں کہ ان کے جوان ہونے پر ان کا آپس میں رشتہ کر لیا جائے گا۔ جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو منگنی کی رسم ادا کی جاتی تھی جس میں مرد اور عورت کی نسبت ٹھہراتے تھے اور یوں وہ ایک دوسرے کے منگیتر ٹھہرتے تھے۔''⑪

منگنی کے موقع پر نصیحت

منگنی کی رسم ادا کرنے سے پہلے پاسبان (پادری) فریقین اور مجلس میں موجود لوگوں کو کچھ نصیحت کرتا ہے اور کتاب مقدس کی کچھ آیات تلاوت کرتا ہے۔ اس کے بعد منگنی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ پادری صابر صادق نے اس نصیحت کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے:

''آج ہم اس جگہ خدا اور ان گواہوں کے روبرو حاضر ہوئے ہیں کہ ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالیں۔ اس وقت ہم اس موقع کو یاد کرتے ہیں جب ابراہیم کا وفادار خادم الیعزر اضحاق کے لیے بیوی کی تلاش میں نکلا اور خدا کی مدد اور فضل سے اپنے لوگوں میں سے اس کے لیے ایک خدا پرست دیندار بیوی تلاش کر کے لایا۔ بیان سے ظاہر ہے کہ اس سے بیشتر کہ رِبقہ اپنے گھر سے جدا ہوئی اس کی منگنی کی رسم ادا کی گئی۔ لہٰذا ہم بھی جمع ہوئے ہیں کہ اس رسم کو ادا کریں۔ میں خدا کا خادم ہوتے ہوئے دونوں کو (جن کے درمیان منگنی ہو) نصیحت کرتا ہوں کہ خدا

کے کلام کی ان باتوں کو جو میں نے پڑھ کر سنائیں اپنے دل میں جگہ دو۔ تم یقین کرو کہ اگر خدا ہی گھر نہ بنائے تو ہماری کوشش بے فائدہ ہے۔ بڑے خوف سے اس کام میں ہاتھ لگاؤ۔ اس نیک کام میں محبت کو اول درجہ دیں اور نیک کاموں کے کرنے میں ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔ خدا سے ڈرتے اور کانپتے ہوئے اس کام میں ہاتھ لگاؤ اور دعا کرو کہ تم دونوں کو ایسی سمجھ بخشے کہ تم خاندانی ذمہ داری کو بخوبی محسوس کر کے نہایت پاکیزگی سے اس کام کو سرانجام دے سکو۔''⑫

منگنی کی رسم

نصیحت کرنے کے بعد اب رسم ادا کرنے کی باری آتی ہے۔ منگنی کی علامت انگوٹھی ہے جو فریقین ایک دوسرے کو پہناتے ہیں مگر اچھا اور مناسب یہی ہے کہ انگوٹھی فریقین کے بجائے ان کے والدین یا کوئی بزرگ پہنائے:

''اس موقع پر مرد و عورت منگنی کے نشانات پاسبان کے سامنے رکھیں اور وہ ان چیزوں کو دوسروں کو دکھا کر مرد کی طرف سے نشانات عورت کو اور عورت کی طرف سے مرد کو دے۔ مقرر یہ ہے کہ کہ ہر دو جانب سے کوئی عزیز یا کوئی بزرگ شخص اس خدمت کو انجام دے۔''⑬

منگنی کے موقع کی خاص دعا

منگنی کی رسم ادا کرنے کے بعد پاسبان دعا کراتا ہے جس میں فریقین کے ساتھ ساتھ مجلس میں موجود ان کے والدین اور باقی افراد شریک ہوتے ہیں۔ اس دعا میں یہ مانگا جاتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی نے خدا کو حاضر ناظر جان کر جو منگنی اور وفاداری کا عہد کیا ہے' وہ اسے ساری عمر نبھائیں:

''خداوند تیرا شکر ہو کہ تیری حضوری کو ہم نے قانائے گلیل کی شادی کی تقریب کی طرح محسوس کیا اور ہر ایک کام میں تجھے بہت نزدیک پایا۔ ان نعمتوں کے لیے تیرا شکر ہو۔ تو نے ہر کام پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور ہماری خوشیوں کو دوبالا کیا۔ ہم ان کی آئندہ زندگی تیرے ہاتھوں میں سونپتے ہیں۔ ان کو اپنی برکات سے مالا مال کر کہ ان کی برادری اور مساوات قائم رہیں۔ اے خداوند جنہیں تو نے

ایک ہونے کے لیے بلایا ہے' بخش کہ وہ ایمانداری اور پیار بھرے جذبات کے ساتھ ایک دوسرے سے وفا کرتے رہیں اور آج سے ایک دوسرے کے لیے مخصوص ہوجانے کے بعد انگوٹھی کے تبادلے کے عہد کو وفاداری سے نبھائیں۔ ان کو برکت دے اور تمام ضروری فضائل انہیں بخش تا کہ ایک دن یہ دائمی طور پر ایک دوسرے کو اپنا سکیں۔ یہ ہمیشہ تجھ سے قوّت اور برکت پاتے رہیں۔ ان کے مستقبل کو روشن اور تابناک بنا۔ ان کے خاندانوں میں بھی پیار اور محبت بڑھا اور انہیں ہمت بخش کہ وہ اپنے بیٹے اور بیٹی کی شادی کے لیے مسیحی ایمان' سچائیوں اور تعلیم کے مطابق تیاری کریں۔ یہ سب کچھ مانگتے ہیں تیرے بیٹے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے۔''⑭

منگنی کی پابندی لازمی ہے

منگنی کی رسم ادا ہوجانے کے بعد اس کی پابندی لازمی ہوجاتی ہے۔ جس طرح شادی کا رشتہ اٹوٹ ہے' کسی کے توڑنے سے نہیں ٹوٹتا اسی طرح منگنی ہوجانے کے بعد اس کو بھی نہیں توڑا جا سکتا۔ پادری کے ایل ناصر لکھتے ہیں:

''جب کسی کی نسبت طے ہوجاتی تھی تو اس کی پابندی بھی اسی قدر لازمی ہوجاتی تھی جس قدر کہ شادی بیاہ کی اور اگر دلہن سے کوئی غیر اخلاقی حرکت سرزد ہوجاتی تو اسے زنا سمجھ کر شریعت کے مطابق اسے موت کی سزا دی جاتی تھی۔''⑮

بائبل کے مطابق:

''اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے۔ تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور انکو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں۔''⑯

شادی کی عمر

عیسائی شریعت میں شادی کے لیے کم سے کم عمر بیان تو نہیں کی گئی مگر تالمود کی بعض روایات سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ لڑکی کی عمر بارہ سال ایک دن ہونی چاہیے اور لڑکے کی عمر بیس سال۔ پادری کے ایل ناصر شادی کی عمر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بائبل کے زمانے میں مختلف طبقات کے اسرائیلیوں کے درمیان شادی بیاہ کے لیے ذات پات کی کوئی قید نہیں تھی۔ اگرچہ قدرتی طور پر لوگ اپنے ہم مرتبہ لوگوں میں ہی شادی بیاہ کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ اسرائیلی شادیاں بہت کم عمری میں ہی ہوجاتی تھیں۔ اگرچہ موسوی شریعت کے تحت شادی کے لیے کم سے کم عمر بیان نہیں کی گئی ہے تاہم طالمود میں ذکر آیا ہے کہ دلہن کی عمر کم سے کم بارہ برس اور ایک دن ہونی چاہیے۔ اگر کوئی شخص بیس سال کی عمر تک شادی نہیں کرتا تھا تو یہ بات اس کی بدنامی اور بے عزتی کا باعث اور اس کے فرض اور عام دستور اور رواج سے انحراف سمجھا جاتا تھا۔ عام رواج کے مطابق جونہی کوئی نوجوان جسمانی طور پر بالغ ہوجاتا اس کی شادی کردی جاتی تھی یعنی جب لڑکی پندرہ یا سولہ برس کی اور لڑکا اس کے ایک یا دو سال بڑا ہوتا تھا تو ان کی شادی کردی جاتی۔''⑮

مسیحی ممالک میں شادی کی کم از کم عمر

تقریباً تمام مسیحی ممالک کے عائلی قوانین میں شادی کی کم از کم عمر کا تعین کیا گیا ہے' لیکن ہر ملک کی تعین کردہ عمر دوسرے سے مختلف ہے۔

''تمام مسیحی ممالک کے قوانین میں شادی کے لیے کم سے کم عمر کا تعین کر دیا گیا ہے۔ رومن لاء میں دُلہا کے لیے عمر ۱۴ سال اور دلہن کے لیے ۱۲ سال مقرر کی گئی تھی جس کی چرچ نے منظوری دے دی تھی۔ برطانیہ' امریکہ' سپین' پرتگال' یونان' میکسیکو' چلی اور امریکہ کے متعدد رومن کیتھولک ملکوں میں یہ قانونی دفعہ نافذ چلی آرہی ہے۔ آسٹریا میں مرد اور عورت کی شادی کی عمر ۱۴ سال' سربیا اور کاکیشیا میں مردوں کی عمر ۱۵ سال اور عورتوں کے لیے ۱۳ سال۔ برازیل' شمالی کیرولینا اور ٹیکساس میں مردوں کے لیے ۱۶ سال اور عورتوں کے لیے ۱۴ سال۔ الباما آرکنساس' جارجیا اور الینائے میں مرد کے لیے ۱۷ سال اور عورت کے لیے ۱۴ سال۔ پیرو میں ۱۸ سال اور ۱۴ سال مقرر ہے۔ فرانس' بلجیئم' اٹلی' رومانیہ' کیلی فونیا' مینسوٹا' نیومیکسیکو' آریگن اور وسکانسن میں مردوں کے لیے ۱۸ سال اور عورتوں کے لیے ۱۵ سال۔ روس' ہالینڈ' انڈیانا' مشی گن' مونٹانا' نبراسکا' نیوڈا' اوہاٹیو اور ویومنگ میں مردوں کے لیے ۱۸ سال اور عورتوں کے

لیے ۱۶ سال مقرر ہے۔ سوئزرلینڈ میں مرد ۲۰ سال اور عورت ۱۸ سال کی عمر میں شادی کرسکتی ہے۔ جرمنی میں مرد کے لیے شادی کی عمر ۲۱ سال اور عورت کی عمر ۱۶ سال مقرر ہے۔ سویڈن میں مرد کی عمر ۲۱ سال اور عورت کے لیے ۱۸ سال مقرر کی گئی ہے۔''⑱

والدین کی رضامندی

شادی صرف ایک لڑکے اور لڑکی کے ملاپ کا نام نہیں ہے بلکہ معاشرتی طور پر یہ دو گھرانوں اور دو خاندانوں کے ملاپ کا ذریعہ ہے' اسی لیے ہر مذہب میں دُلہا و دلہن کی رضامندی کے ساتھ ان کے والدین اور سرپرست کی رضامندی کو بھی کافی اہمیت دی گئی ہے۔

عیسائی قانون میں بھی والدین کی رضامندی کو کافی اہم قرار دیا گیا ہے اور زیادہ تر رشتہ کا انتخاب والدین ہی کرتے ہیں۔ بائبل میں اس سلسلے میں کافی مثالیں موجود ہیں:

① ہاجرہ نے اپنے بیٹے اسماعیل کے لیے خود بیوی تلاش کی:

''اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملکِ مصر سے اس کے لیے بیوی لی۔''⑲

② ابراہیم نے اپنے بیالیس سالہ بیٹے اسحٰق کی شادی کا انتظام اپنے نوکر کے ذریعے کروایا:

''اور ابرہام اپنے گھر کے سالخوردہ نوکر سے جو اس کی سب چیزوں کا مختار تھا کہا.....تو میرے وطن میں میرے رشتہ داروں کے پاس جا کر میرے بیٹے اضحاق کے لیے بیوی لائیگا۔''⑳

③ سِکم نے لڑکی تلاش کر کے والدین کو رشتہ کے لیے کہا:

''اور سِکم نے اپنے باپ حمور سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے لیے بیاہ لا دے''㉑

ان اقتباسات کے باوجود عیسائیت میں والدین کی رضامندی شادی کے لیے لازمی اور ضروری نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص والدین کی رضامندی کے بغیر شادی کر لیتا ہے تو عیسائی مذہب میں ایسی شادی جائز ہے اور ایسا کرنے والا لڑکا اور لڑکی قانوناً میاں بیوی ہیں۔

کتاب مقدس میں ایسی شادی کا ذکر موجود ہے جو والدین کی رضامندی کے بغیر کی گئی:

''جب عیسو چالیس برس کا ہوا تو اس نے بیری حتی کی بیٹی یہودتھ اور ایلون حتی کی بیٹی بشمتھ سے بیاہ کیا اور وہ اضحاق اور رِبقہ کے لیے وبالِ جان ہوئیں۔''(۴۲)

دُلہا اور دُلہن کے ملبوسات

شادی کے موقع پر دلہن کا خوصورت لباس پہننا اور زیور سے آراستہ ہونا کتاب مقدس سے ثابت ہے' مگر کسی خاص لباس کا پہننا ضروری نہیں ہے۔ آج کل عیسائی معاشرہ نے دلہن کے لیے ''سفید رنگ کے لباس'' کو لازم کرلیا ہے۔ ایف ایس خیر اللہ لکھتے ہیں:

''دلہن کے لباس میں سونے چاندی کی تاروں کا کام اور کپڑے پر خوبصورت کشیدہ کاری ہوتی تھی (زبور ۴۵: ۱۴-۱۳) وہ زیور سے آراستہ ہوتی تھی (یسعیاہ ۶۱: ۱۰) وہ ایک خوبصورت سینہ بند پہنے ہوتی تھی۔''(۴۳)

کتاب مقدس میں ہے:

''بادشاہ کی بیٹی محل میں سرتاپا حسن افروز ہے۔ اس کا لباس زریفت کا ہے۔ وہ بیل بوٹے دار لباس میں بادشاہ کے حضور پہنچائی جائیگی۔''(۴۴)

''میں خداوند سے بہت شادمان ہونگا۔ میری جان میرے خدا میں مسرور ہوگی کیونکہ اس نے مجھے نجات کے کپڑے پہنائے۔ اس نے راست بازی کے خلعت سے مجھے ملبّس کیا جیسے دُلہا سہرے سے اپنے آپکو آراستہ کرتا ہے اور دلہن اپنے زیوروں سے اپنا سنگار کرتی ہے۔''(۴۵)

''کیا کنواری اپنے زیور یا دلہن اپنی آرائش بھول سکتی ہے؟''(۴۶)

دلہن کا نقاب اوڑھنا (گھونگٹ کرنا)

شادی کے موقع پر دلہن کا نقاب اوڑھنا بھی عیسائی قانون میں موجود ہے۔ بقول ایف ایس خیر اللہ:

''اکثر شادی کے وقت نقاب (برقع) اوڑھا جاتا تھا شاید یہی وجہ تھی کہ شادی کے وقت یعقوب نے لیاہ کو نہ پہچانا۔''(۴۷)

کتاب مقدس میں بھی اس کا تذکرہ اشارتاً موجود ہے:

''اور رِبقہ نے نگاہ کی اور اضحاق کو دیکھ کر اونٹ پر سے اتری اور اس نے نوکر سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے جو ہم سے ملنے کو میدان میں چلا آرہا ہے؟ اس نوکر نے کہا یہ میرا آقا ہے۔ تب اس نے برقع لے کر اپنے اوپر ڈال لیا۔''(۴۸)

یعقوب نے بھی اسی برقع کی وجہ سے لیاہ کو نہ پہچانا:

''چنانچہ یعقوب سات برس تک راخل کی خاطر خدمت کرتا رہا..... اور جب شام ہوئی تو اپنی بیٹی لیاہ کو اس کے پاس لے آیا اور یعقوب اس سے ہم آغوش ہوا..... جب صبح کو معلوم ہوا کہ یہ تو لیاہ ہے تب اس نے لابن سے کہا کہ تو نے مجھ سے یہ کیا کیا؟ کیا میں نے جو تیری خدمت کی وہ راخل کی خاطر نہ تھی؟ پھر تو نے مجھے کیوں دھوکا دیا۔''(۴۹)

دُلہا کا سہرا

شادی میں صرف دلہن ہی اچھے لباس نہیں پہنتی بلکہ دُلہا بھی زرق برق لباس پہنتا ہے اور سہرا بھی لگاتا ہے۔ بقول ایف ایس خیر اللہ:

''دُلہا بھی اچھے اچھے کپڑے پہنتا اور سہرے سے آراستہ ہوتا۔''(۵۰)

کتاب مقدس میں ہے:

''میں خداوند سے بہت شادمان ہونگا۔ میری جان میرے خدا میں مسرور ہوگی کیونکہ اس نے مجھے نجات کے کپڑے پہنائے۔ اس نے راست بازی کے خلعت سے مجھے ملبّس کیا جیسے دُلہا سہرے سے اپنے آپکو آراستہ کرتا ہے اور دلہن اپنے زیوروں سے اپنا سنگار کرتی ہے۔''(۵۱)

بارات کا تصوّر

بارات کا ذکر عیسائی قانون میں ملتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دُلہا اپنے ساتھیوں کے ساتھ دلہن کے گھر آتا ہے۔ وہاں ان سب کے لیے کھانے کا انتظام ہوتا ہے اور پھر آخر میں دلہن کے ساتھ واپسی ہوتی ہے اور راستے میں گانے گائے جاتے ہیں تاکہ خوشی کا

اظہار کیا جائے۔ قاموس الکتاب کے مصنّف بارات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دُلہا کے ہمراہ بھی اس کے رفیقوں کی جماعت ہوتی تھی۔ نئے عہد نامہ میں انہیں براتی کہا گیا ہے۔''[۳۲]

کتاب مقدس میں ہے:

''یسوع نے ان سے کہا: کیا براتی جب تک دُلہا ان کے ساتھ ہے ماتم کر سکتے ہیں؟ مگر وہ دن آئینگے کہ دُلہا ان سے جدا کیا جائے گا۔''[۳۳]

باراتیوں کا استقبال

عیسائی شادی میں باراتیوں کے استقبال کا تذکرہ بھی ملتا ہے کہ کنواری لڑکیاں خوبصورت لباس پہن کر، ہاتھوں میں مشعلیں لے کر دُلہا اور باراتیوں کا استقبال کرتی ہیں اور دلہن بھی گھر کے دروازے پر آ کر دُلہا کو خوش آمدید کہتی ہے:

''پہلے سے مقرر کردہ وقت پر دُلہا شادی کا لباس پہن کر باراتیوں کے ہمراہ دلہن کے گھر آتا ہے۔ دلہن کی سہیلیاں جن کا ذکر دس کنواریوں کی تمثیل میں بھی آیا ہے، خوبصورت پوشاکیں پہن کر اور ہاتھوں میں مشعلیں لے کر دُلہا کے استقبال کو نکلتی تھیں۔ گھر کے صدر دروازے پر دلہن عروسی لباس پہنے ہوئے دُلہا کا استقبال کرتی تھی۔''[۳۴]

کتابِ مقدس میں بھی باراتیوں کے استقبال کا ذکر موجود ہے۔ باراتیوں کے استقبال کے لیے کنواری اور خوبصورت لڑکیوں کا انتخاب کیا جاتا ہے:

''اس وقت آسمانی بادشاہی ان دس کنواریوں کی مانند ہوگی جو اپنی مشعلیں لے کر دُلہا کے استقبال کو نکلیں.....اور جب دُلہا نے دیر لگائی تو سب اونگھنے لگیں اور سو گئیں۔ آدھی رات کو دھوم مچی کہ دیکھو دُلہا آ گیا اس کے استقبال کو نکلو۔''[۳۵]

باراتیوں کے لیے کھانا

باراتیوں کے لیے کھانے کا انتظام لڑکی والوں کی طرف سے ہوتا تھا۔ صاحبِ قاموس الکتاب لکھتے ہیں:

''شادی کے دن کی شام کو دُلہا اور اس کے ساتھی جلوس کی صورت میں دلہن کے

گھر جاتے تھے۔ وہاں کھانے کا انتظام ہوتا تھا۔''[۳۶]

کتاب مقدس میں بھی باراتیوں کی ضیافت کے متعلق تذکرہ ملتا ہے۔ باراتیوں کے ساتھ ساتھ اس علاقے کے لوگوں کی ضیافت کا تذکرہ بھی کتاب مقدس سے ثابت ہے مگر ایسا کرنا ان لوگوں پر ہے جو اس کی طاقت رکھتے ہوں:

''اور یعقوب نے لابن سے کہا کہ میری مدت پوری ہوگئی۔ سو میری بیوی مجھے دے تا کہ میں اس کے پاس جاؤں۔ تب لابن نے اس جگہ کے سب لوگوں کو جمع کیا اور ان کی ضیافت کی۔''[۳۷]

''پھر اس کا باپ اس عورت کے ہاں گیا۔ وہاں سمسون نے بڑی ضیافت کی کیونکہ جوان ایسا ہی کرتے ہیں۔''[۳۸]

دلہن کی رخصتی

اس ضیافت کے بعد دُلہا دلہن اور باراتی جلوس کی شکل میں واپس گھر آتے ہیں اور راستے میں خوشی کے اظہار کے لیے گانے بجاتے اور ناچتے گاتے ہیں اور اگر رات کا وقت ہو تو ان کے ہاتھ میں مشعلیں ہوتی ہیں۔ صاحبِ قاموس الکتاب لکھتے ہیں:

''پھر براتی دُلہا دلہن کو لے کر جلوس میں باجا بجاتے اور ناچتے گاتے ہوئے واپس گھر کو آتے تھے۔ اکثر رات کو ان کے ہاتھ میں مشعلیں ہوتی تھیں۔''[۳۹]

بارات سے رخصتی تک کا سفر

پادری کے ایل ناصر بارات سے لے کر دلہن کی رخصتی تک کے مراحل کو تفصیل اور مستند حوالوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

''پہلے سے مقرر وقت پر دُلہا شادی کا لباس پہن کر براتیوں کے ہمراہ دلہن کے گھر آتا تھا (متی ۹: ۱۵) دلہن کی سہیلیاں جن کا ذکر دس کنواریوں کی تمثیل میں بھی آیا ہے (متی ۲۵: ۱) خوبصورت پوشاکیں پہن کر اور ہاتھوں میں مشعلیں لے کر دُلہا کے استقبال کو نکلتی تھیں۔ گھر کے صدر دروازے پر دلہن عروسی لباس پہنے ہوئے دُلہا کا استقبال کرتی تھی۔ پھر دلہن کی سہیلیاں اور دُلہا کے براتی ''خوشی اور شادمانی کی آواز کے ساتھ اور دلہے اور دلہن کی آواز کے ساتھ''

واپس دُلہا کے گھر جاتے تھے (یرمیاہ ۷:۳۴) ابتدائی زمانوں میں بیاہ شادی کی ضیافتیں کافی عرصے تک جاری رہتی تھیں مثلاً سمسون کی شادی کی ضیافتیں ایک ہفتے تک جاری رہی تھیں (قضاۃ ۱۴:۱۲) بائبل میں شادی کی رسوم کے بارے میں کوئی واضح بیان موجود نہیں ہے سوائے اس کے کہ دلہن کا باپ یا کوئی دیگر بزرگ آدمی اپنی برکات کے ساتھ دلہن کو دُلہا کے سپرد کر دیتا تھا (پیدائش ۲۴:۵۹۔۶۰)۔''[۴۰]

شہ بالا کا تصوّر

ان باراتیوں میں ایک خاص شخص کا ذکر بھی ملتا ہے جو ایک خاص کردار ادا کرتا تھا جسے رفیق' دُلہا کا دوست اور میر مجلس کہا گیا ہے۔ کیتھولک ترجمہ میں رفیق کا ترجمہ شہ بالا کیا گیا ہے اور کتاب مقدس میں اس کا تذکرہ مختلف عبارتوں سے کیا گیا ہے۔ ایف ایس خیر اللہ لکھتے ہیں:

''ان میں سے ایک جسے دُلہے کا دوست یا شہ بالا کہا گیا ہے' ایک خاص کردار ادا کرتا تھا اسے قضاۃ ۱۴:۲۰' ۱۵:۲ میں رفیق (کیتھولک ترجمہ میں شہ بالا) پکارا گیا ہے۔ یوحنا ۳:۲۹ میں اسے دُلہے کا دوست کہا گیا ہے۔ اس کے ذمہ شادی کے انتظامات کی دیکھ بھال تھی۔ شاید میر مجلس (میر ضیافت) سے بھی یہی شخص مراد ہو یوحنا ۲:۸'۹۔''[۴۱]

کتاب مقدس میں اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

''پر سمسون کی بیوی اس کے ایک رفیق کو جسے سمسون نے دوست بنایا تھا' دے دی گئی۔''[۴۲]

''اور اس کے باپ نے کہا مجھ کو یقیناً یہ خیال ہوا کہ تجھے اس سے سخت نفرت ہو گئی ہے اس لیے میں اسے تیرے رفیق کو دے دیا۔''[۴۳]

''جس کی دلہن ہے وہ دُلہا ہے مگر دُلہا کا دوست جو کھڑا ہوا اس کی سنتا ہے' دُلہا کی آواز سے بہت خوش ہوتا ہے۔''[۴۴]

''پھر اس نے ان سے کہا اب نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤ۔ پس وہ لے گئے جب میر مجلس نے وہ پانی چکھا جو مے بن گیا تھا اور جانتا نہ تھا کہ یہ کہاں سے

آئی ہے (مگر خادم جنہوں نے پانی بھرا تھا جانتے تھے) تو میر مجلس نے دُلہا کو بلا کر اس سے کہا۔''[۴۵]

پُکار (شادی کا بَرملا اعلان)

''پکار'' عیسائی ازدواج کی ایک خاص اور منفرد رسم ہے۔ اس کا عام فہم مفہوم یہ بیان کیا جا سکتا ہے کہ لوگوں کو اس شادی کی اطلاع فراہم کرنا تا کہ اگر کوئی اس شادی سے خوش نہیں ہے تو وہ شادی ہونے سے پہلے بتا دے یا اگر کسی کو کوئی ایسی قانونی بات معلوم ہے جس کی وجہ سے اس لڑکی اور لڑکے کی شادی نہیں ہو سکتی تو وہ چرچ میں بیان کر دے تا کہ اس شادی کو روکا جا سکے۔ یہ پکار کی رسم یعنی شادی کی اطلاع دینے کی رسم دو مرتبہ ادا کی جاتی ہے ایک مرتبہ شادی سے پہلے اور ایک مرتبہ شادی کی مجلس میں۔

پہلی پکار: جب کسی لڑکے کے لیے کوئی لڑکی یا کسی لڑکی کے لیے کوئی لڑکا منتخب کر لیا جائے اور ان کی شادی کی تاریخ طے ہو جائے تو وہاں کے چرچ میں شادی سے پہلے تین اتواروں کو اس شادی کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اور تمام لوگوں کو اس شادی کی خبر دی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہے یا کسی کو کوئی ایسی بات معلوم ہے جس کی وجہ سے ان دونوں کا نکاح نہیں ہو سکتا تو وہ چرچ میں آ کر بیان کرے۔

دوسری پکار: دوسری پکار شادی کے موقع پر کی جاتی ہے یعنی عین شادی کے موقع پر۔ وہاں بھی یہی اعلان کیا جاتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی ایسی بات معلوم ہے کہ جس کی وجہ سے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا تو وہ بیان کرے۔

''یہ دونوں شخص جو اس وقت یہاں حاضر ہیں' نکاح کی پاک حالت میں شامل ہونے آئے ہیں' اس لیے اگر کوئی معقول سبب بتا سکتا ہے جس کے باعث وہ قانون کی رو سے نکاح نہیں کر سکتے ہیں تو وہ اب کہے ورنہ بعد اس کے ہمیشہ چپ رہے۔''[۴۶]

پکار کا مقصد

پکار کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عیسائی قانون میں ایک دفعہ شادی ہو جانے کے

بعد اس عہد کے ٹوٹنے یعنی طلاق کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس لیے نکاح کرتے وقت بہت احتیاط کی جاتی ہے تاکہ بعد میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ اسی لیے پکار میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی ایسا قانونی سبب معلوم تھا جس کی وجہ سے یہ نکاح قانوناً جائز نہیں تھا' مگر وہ شادی سے پہلے نہیں بتاتا۔ اب شادی ہو جانے کے بعد اس کو چاہیے کہ ہمیشہ خاموش رہے اور اب کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

دُلہا و دلہن کا ایجاب وقبول

دنیا کے باقی مذاہب کی طرح عیسائیت میں بھی شادی کے لیے سب سے لازمی اور ضروری چیز دُلہا و دلہن کی رضامندی ہے۔ یہ نکاح کا اہم ترین رُکن ہے اس کے بغیر بیاہ کسی صورت بھی ممکن نہیں ہے۔ پادری صابر صادق نے اپنی کتاب ''گیت اور زبور برائے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا'' میں بڑی تفصیل سے دُلہا و دلہن کے قول وقرار کو بیان کیا ہے:

> ''نکاح کے دن اور وقت مقررہ پر جو حسبِ قانون نکاح کروانا چاہتے ہیں' مرد داہنے ہاتھ اور عورت اس کے بائیں ہاتھ کھڑے ہوں۔''[۴۷]

مرد سے پوچھنا: ''خادم الدین مرد سے یوں کہے..... کیا تم اس عورت..... کو اپنی منکوحہ بیوی ہونے کے لیے قبول کرتے ہو اور یہ وعدہ کرتے ہو کہ اس کے ساتھ خدا کی شریعت کے بموجب نکاح کی پاک حالت میں رہو گے؟ کیا تم بیماری اور تندرستی میں اسے پیار کرو گے؟ اسے تسلی دو گے؟ اس کی عزت کرو گے اور اس کو اپنے پاس سے جدا نہ کرو گے اور سب اوروں کو چھوڑ کر جب تک تم جیتے رہو' صرف اسی کے ساتھ رہو گے؟''[۴۸]

عورت سے پوچھنا: ''خادم الدین عورت سے یوں کہے..... (لڑکی کا نام) کیا تم اس مرد..... کو اپنا منکوحہ شوہر ہونے کے لیے قبول کرتی ہو اور یہ وعدہ کرتی ہو کہ اس کے ساتھ خدا کی شریعت کے بموجب نکاح کی پاک حالت میں رہو گی؟ کیا تم بیماری اور تندرستی میں اسے پیار کرو گی؟ اس کی عزت کرو گی اور اس کو اپنے پاس سے جدا نہ کرو گی اور سب اوروں کو چھوڑ کر جب تک تم دونوں جیتے رہو' صرف اسی کے ساتھ رہو گی؟''[۴۹]

اگر عورت اور مرد کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو پھر وہ دونوں اس کے جواب میں ایک دوسرے کے ساتھ ساری زندگی گزارنے کا عہد کریں گے اور یہ عہد کریں گے کہ ہر خوشی و غمی میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے اور کسی بھی موقع پر ایک دوسرے کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ پادری صابر صادق نے مرد و عورت کے قول وقرار کو الگ الگ اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔

مرد کا قول وقرار: ''تب خادم الدین مرد کو کہے کہ عورت کا ہاتھ پکڑ لو اور میرے ساتھ یوں کہو: میں..... تجھ..... کو اپنی منکوحہ بیوی قبول کرتا ہوں اور اس دن سے جب تک ہم دونوں جیتے رہیں' بہتر حالت میں اور بدتر حالت میں' امیری اور غریبی میں' بیماری اور تندرستی میں' تجھ سے ملا رہوں گا' تجھے پیار کروں گا اور تیری خبر گیری کروں گا۔''[۵۰]

عورت کا قول وقرار: ''تب خادم الدین عورت سے کہے کہ میرے ساتھ یوں کہو: میں..... تجھ..... کو اپنا منکوحہ شوہر قبول کرتی ہوں اور اس دن سے جب تک ہم دونوں جیتے رہیں' بہتر حالت میں اور بدتر حالت میں' امیری اور غریبی میں' بیماری اور تندرستی میں' تجھ سے ملی رہوں گی' تجھے پیار کروں گی اور تیری خبر گیری کروں گی اور اس ایمان کے ساتھ وعدہ کرتی ہوں۔''[۵۱]

ایجاب وقبول میں شخصی نام نہ لینا

عمومی قاعدہ وقانون یہی ہے کہ مرد اور عورت ایجاب وقبول کرتے ہوئے اپنا نام لیں مثلاً یوں کہیں: میں فلاں بن فلاں اس فلاں لڑکی کو اپنے نکاح میں لیتا ہوں' لیکن اگر کوئی شخص ایجاب وقبول کرتے ہوئے اپنا یا اپنی ہونے والی بیوی کا نام نہ بھی لے اور بس اتنا کہہ دے کہ میں اس لڑکی کو اپنی بیوی بناتا ہوں تو یہ بھی جائز ہے۔ پادری صابر صادق لکھتے ہیں:

> ''اگر یہ بھی مناسب معلوم ہو کہ اقرار میں شخصی نام نہ آئے تو اجازت ہے کہ آدمی خادم الدین کے ساتھ کہے: میں اس عورت کو اپنی منکوحہ بیوی وغیرہ اور عورت کہے: میں اس مرد کو اپنا منکوحہ شوہر وغیرہ۔''[۵۲]

ایجاب وقبول کے وقت ہاتھ نہ پکڑنا

عیسائی قانونِ ازدواج میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ مرد اور عورت شادی کا عہد کرتے وقت ایک دوسرے کے ہاتھ کو پکڑیں اور ہاتھ ملائیں' لیکن اگر مرد وعورت قبول کرتے وقت ہاتھ نہ بھی ملائیں تو اس کی اجازت ہے اور اس کے بجائے گھٹنے زمین پر ٹیک کر کھلے ہوئے پاک کلام پر ہاتھ رکھ کر خادم الدین کے ساتھ اقرار کریں:

''اگر مناسب جانیں کہ آدمی اور عورت ہاتھ نہ ملائیں تو اجازت ہے کہ اس کے بجائے دونوں گھٹنے ٹیکیں اور ساتھ ساتھ ہاتھ کھلے ہوئے پاک کلام پر رکھیں۔ جس وقت وہ خادم الدین کے ساتھ اقرار کرتے ہیں۔''(۵۴)

انگوٹھی پہنانے کی رسم

انگوٹھی کی یہ رسم دُلہا ودلہن کے قول وقرار کے وقت ادا کی جاتی ہے۔ یہ انگوٹھی شادی اور کامل اتحاد کی علامت ہوتی ہے۔ یہ اس عہد کی یاد دلاتی ہے جو دُلہا دلہن نکاح کے وقت کرتے ہیں۔ آرچ بشپ لارنس سلڈانہ لکھتے ہیں:

''انگوٹھی: جس طرح انگوٹھی کے دائرے کی کوئی حد نہیں اسی طرح انگوٹھی نئے جوڑے کے کامل اتحاد کی علامت ہے اور اس عہد کی مستقل یادداشت ہے جو انہوں نے نکاح کے وقت باندھا ہے۔''(۵۵)

سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا کے مدیر لکھتے ہیں:

''اور مرد چاہے تو وہ ایک چھلا خادم الدین کو دے اور خادم الدین چھلے کو لے اور یوں کہے: شادی کا چھلا اس اندرونی اور روحانی عقد کا بیرونی اور ظاہری نشان ہے جس سے دو وفادار دل دائمی محبت کے بند میں باندھے جاتے ہیں۔ تب خادم الدین اس چھلے کو دے کر مرد سے کہے کہ عورت کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہناؤ اور میرے ساتھ ساتھ کہو: اپنے باہمی عہد وپیمان کی نشانی میں اس چھلے سے میں تجھے بیاہتا ہوں اور اپنا دنیوی مال تجھے دیتا ہوں۔''(۵۶)

دامن پھیلانے کی رسم

عیسائی شادی کی رسومات میں سے ایک رسم ''دامن پھیلانا'' بھی ہے جو نکاح کی مجلس میں ایجاب وقبول کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ اس کا عام فہم مفہوم یہ ہے: مرد کا اپنی بیوی پر اپنا دامن پھیلا کر اس کو اپنی نگرانی میں لینا۔ یعنی شادی سے پہلے عورت اپنے والدین کی حفاظت اور نگرانی میں تھی اور اب اس نکاح کی وجہ سے مرد کی حفاظت میں آ گئی ہے اور مرد اس کی حفاظت کرنے کا عہد کرتا ہے۔ بقول ایف ایس خیر اللہ:

''اس رسم کے مطابق مرد عورت پر اپنا دامن پھیلاتا تھا اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ اب اس عورت کی حفاظت اور نگرانی وہ اپنے ذمہ لیتا ہے اور عورت پر اس کے سوا کسی اور کا اختیار نہیں۔''(۵۷)

کتاب مقدس میں بھی اس رسم کا تذکرہ ملتا ہے:

''پھر میں نے تیری طرف گزر کیا اور تجھ پر نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ تو عشق انگیز عمر کو پہنچ گئی ہے۔ پس میں نے اپنا دامن تجھ پر پھیلایا اور تیری برہنگی کو چھپایا اور قسم کھا کر تجھ سے عہد باندھا — خداوند خدا فرماتا ہے — اور تو میری ہوگئی۔''(۵۸)

دوسری جگہ اس رسم کو یوں بیان کیا گیا ہے:

''تب اس نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں تیری لونڈی روت ہوں۔ سو تو اپنی لونڈی پر اپنا دامن پھیلا دے کیونکہ تو نزدیک کا قرابتی ہے۔''(۵۹)

برکت دینے کی رسم

عیسائی شادی کی رسومات میں سے ایک رسم ''برکت دینے کی رسم'' ہے۔ عام فہم الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے: والدین اور دوست احباب کا اس نئے شادی شدہ جوڑے کے لیے دعا دینا اور ان کو شادی کی مبارک باد دینا۔ بالخصوص ان کی آنے والی زندگی کی خوشحالی اور آپس میں پیار محبت کے ساتھ رہنے کی دعا کرنا۔ قاموس الکتاب کے مصنف اس برکت دینے کی رسم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''عقدِ نکاح اور آپس کے عہد وپیمان کے بعد والدین اور دوست نئے جوڑے کو

برکت دیتے تھے۔''[59]

کتاب مقدس میں بھی کئی مقامات پر اس رسم کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً:

''تب سب لوگوں نے جو پھاٹک پر تھے اور ان بزرگوں نے کہا کہ ہم گواہ ہیں۔ خداوند اس عورت کو جو تیرے گھر آئی ہے راخل اور لیاہ کی مانند کرے جن دونوں نے اسرائیل کا گھر آباد کیا اور تو افراتہ میں تحسین و آفرین کا کام کرے اور بیت اللحم میں تیرا نام ہو۔ اور تیرا گھر اس نسل سے جو خداوند تجھے اس عورت سے دے فارص کے گھر کی طرح ہو جو یہوداہ سے تمر کو ہوا۔''[60]

رِبقہ کی شادی میں اس رسم کا تذکرہ بایں الفاظ ملتا ہے:

''تب انہوں نے اپنی بہن رِبقہ اور اس کی دایہ اور ابرہام کے نوکر اور اس کے آدمیوں کو رخصت کیا۔ اور انہوں نے رِبقہ کو دعا دی اور اس سے کہا: اے ہماری بہن تو لاکھوں کی ماں ہو اور تیری نسل اپنے کینہ رکھنے والوں کے پھاٹک کی مالک ہو۔''[61]

خطبۂ نکاح

شادی کے موقع پر دُلہا و دلہن کو نصیحتیں کرنا اور مذہبی کتاب کی تلاوت کرنا تمام مذاہب میں اچھا اور مستحسن خیال کیا جاتا ہے۔ عیسائیت میں بھی خطبۂ نکاح کا تصور موجود ہے مگر اس کی حیثیت صرف مستحب کی ہے کہ پادری نکاح کے موقع پر فریقین کو پیار و محبت سے رہنے کی تلقین کرے۔ یہ خطبہ فرض نہیں ہے کہ اس کے بغیر ہونے والی شادی کو ہم شادی ہی تصور نہ کریں۔

اسی طرح اس خطبہ کے کوئی مخصوص الفاظ بھی نہیں ہے۔ پادری جو چاہے یا موقع و مناسبت سے کچھ نصیحتیں کر سکتا ہے جن کا تعلق ازدواجی زندگی سے ہو۔ ''سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا'' میں ان نصیحتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

ایجاب وقبول سے پہلے کی دعا

عیسائیت کی مذہبی کتابوں میں لڑکا لڑکی کے ایجاب وقبول کرنے سے پہلے' ایجاب

وقبول کے وقت اور اس کے بعد کی دعائیں بھی مذکور ہیں:

''خادم الدین یوں کہے: اے عزیزو! ہم یہاں خدا کے حضور اور ان گواہوں کے روبرو جمع ہوئے ہیں کہ اس مرد اور اس عورت کو پاک نکاح کے عقد میں باندھیں۔ چنانچہ یہ ایک معزز رسم ہے جسے خدا نے انسان کی بے گناہی کی حالت میں مقرر کیا اور جس سے وہ باطنی میل و ملاپ ظاہر ہوتا ہے جسے مسیح نے قانائے گلیل میں اپنی حاضری اور پہلے معجزے سے رونق و زینت بخشی۔ اس لیے کوئی جلدی کر کے بے فکری سے اس عقد کی پابندی نہ کرے بلکہ سنجیدگی و امتیاز اور خدا کے ساتھ اس میں ہاتھ لگائے۔ یہ دونوں شخص جو اس وقت یہاں حاضر ہیں نکاح کی پاک حالت میں شامل ہونے آئے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی معقول سبب بتا سکتا ہے جس کے باعث وہ قانون کی رو سے نکاح نہیں کر سکتے ہیں تو وہ اب کہے ورنہ بعد اس کے ہمیشہ چپ رہے۔ تب خادم الدین ان شخصوں سے جو نکاح کروانے آئیں ہیں' یوں کہے: میں تم دونوں سے یہ کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کوئی ایسے سبب سے واقف ہو کہ جس کے باعث تم اپنا نکاح قانوناً نہیں کروا سکتے تو ابھی اس کا اقرار کرو اور خوب یاد رکھو کہ جو کوئی خدا کے کلام کے خلاف عقد کرتا ہے ان کے نکاح کو خدا قبول نہیں کرتا اور نہ ان کا نکاح جائز ہوتا ہے۔''[62]

ایجاب وقبول کے وقت کی دعا

''تب خادم الدین ان کے دہنے ہاتھ ملا دے اور کہے: چونکہ.....اور..... نے پاک نکاح پر آپس میں اتفاق کیا ہے اور ان دونوں نے خدا کے حضور اور اس جماعت کے روبرو اس کا اقرار بھی کیا ہے اور ایک دوسرے کو ایمان سے قبول کیا ہے اور ہاتھوں کے ملانے سے (یا بائبل پر ہاتھ رکھنے سے) اس کو ظاہر کیا ہے اس لیے میں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے ان کو شوہر اور بیوی کہتا ہوں۔ جن کو خدا نے جوڑا ان کو کوئی جدا نہ کرے۔''[63]

ایجاب وقبول کے بعد کی دعا

لارنس سلڈانہ نے اپنی کتاب میں شادی کے موقع پر کی جانے والی خاص دعا کا

بھی ذکر کیا ہے جو ایجاب وقبول سے فارغ ہونے کے بعد کی جاتی ہے:

''اے قادر مطلق' قدوس اور زندہ آسمانی باپ! آج ہم تیرے بندے اور بندیاں اس جگہ پر اکھٹے ہوئے ہیں تا کہ ہم اس نو بیاہتا جوڑے کے لیے دعا کر سکیں۔ اے خداوند تو ان دونوں کو اپنا خاص فضل اور برکت دے اور انہیں یہ توفیق عطا کر کہ وہ ہمیشہ تک ایک دوسرے کے ساتھ پیار و محبت اور صلح سلامتی سے رہیں۔ اے مہربان باپ تو اس نئے جوڑے کی ہمیشہ مدد کر اور انہیں ہمت اور حوصلہ بخش کہ وہ ہمیشہ وہی کام کریں جو تیرے مقبولِ نظر ہوں۔ اے خداوند ہم اس نئے جوڑے کے خاندانوں کے لیے بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو ایمان میں مضبوط کریں۔ اے مہربان باپ تو انہیں آئندہ زندگی میں خوشی' خوشحالی' تندرستی اور عمر درازی کی نعمتیں بخش۔ مسیح ہمارے خداوند کے وسیلے سے۔ آمین!''[۶۴]

مہر کا تصور

''مہر'' عربی زبان کا لفظ ہے اور عبرانی میں اس کے لیے ''موہر'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ مہر وہ رقم ہے جو عورت کو نکاح کے وقت خاوند کی طرف سے دی جاتی ہے' جبکہ موہر وہ رقم ہے جو شادی کے وقت لڑکی کے بجائے لڑکی کے والدین کو دی جاتی ہے۔ قاموس الکتاب کے مطابق:

''عبرانی موہر' عربی مہر۔ عبرانی اور عربی استعمال کا فرق غور طلب ہے۔ عربی لفظ مہر سے وہ روپیہ یا جنس مراد ہے جو نکاح کے وقت مرد کے لیے عورت کو دینا مقرر تھا۔ عبرانی میں اس رقم کو موہر کہا گیا ہے جو لڑکے والے لڑکی کے والدین کو پیش کرتے ہیں۔''[۶۵]

بائبل کے مطابق مہر پر عورت کا حق نہیں

عیسائیت میں ہمیں مہر کا ذکر ملتا ہے مگر یہ مہر بیوی کے لیے نہیں ہوتا اور نہ بیوی اس کی قانوناً حق دار ہوتی ہے' بلکہ یہ مہر لڑکی کے گھر والوں کے لیے ہوتا ہے اور وہ قانوناً اس کے مالک ہوتے ہیں۔ کتاب مقدس میں ہے:

''میں تمہارے کہنے کے مطابق' جتنا مہر اور جہیز تم مجھ سے طلب کرو' دونگا لیکن لڑکی کو مجھ سے بیاہ دو۔''[۶۶]

''اگر کوئی کسی کنواری کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو' پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو وہ ضرور ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرے۔ لیکن اگر اس کا باپ راضی نہ ہو کہ اس لڑکی کو اسے دے تو وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اسے مہر دے۔''[۶۷]

مہر کی اوسط رقم

ذیل میں بیان کردہ اقتباس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ رقم جو لڑکا' لڑکی کے بدلے اس کے باپ کو دیتا ہے وہ ''چاندی کے پچاس مثقال'' ہیں۔ کتاب مقدس میں ہے:

''اگر کسی مرد کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو اور وہ اسے پکڑ کر اس سے صحبت کرے اور دونوں پکڑے جائیں۔ تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو لڑکی کے باپ کو چاندی کے پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے کیونکہ اس نے اسے بے حرمت کیا اور وہ اسے اپنی زندگی بھر طلاق نہ دینے پائے۔''[۶۸]

کنوارا ہونا (بکارت) مہر کی شرط

عیسائیت میں مہر کے لیے ایک لازمی شرط یہ ہے کہ عورت کنواری ہو۔ اگر عورت شادی شدہ ہو یا کسی ناجائز تعلق کی بنا پر اس کا کنوارا پن ختم ہو گیا ہو تو پھر مہر نہیں ہوگا۔ کتاب مقدس کی عبارت اس بات کا واضح ثبوت پیش کرتی ہے:

''اگر کوئی کسی کنواری کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو وہ ضرور ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرے۔ لیکن اگر اس کا باپ راضی نہ ہو کہ اس لڑکی کو اسے دے تو وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اسے مہر دے۔''[۶۹]

کتاب مقدس کی اس عبارت اور اس جیسی کئی عبارتوں میں ''کنواری'' کا لفظ موجود ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مہر کے لیے لڑکی کا کنوارا ہونا شرط ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اگر لڑکی کنواری نہ ہو تو اس کو مہر وغیرہ ادا کرنا ضروری نہیں

ہے۔مہر مقرر کرنے کی حکمت کے بارے میں صاحبِ قاموس لکھتے ہیں:

''بعض علماء نے اسے لڑکی کی قیمت تصور کیا ہے' لیکن لڑکی ایک غلام کی طرح خریدی اور بیچی نہیں جاتی تھی.....لڑکی کے جانے سے خاندان میں کام کرنے کے لیے ایک فرد کم ہو جاتا تھا لہٰذا مہر لڑکی کے خاندان کے مالی نقصان کی تلافی تھی۔ یہ رقم اس بات کی بھی ضمانت تھی کہ مرد بغیر سوچے سمجھے لڑکی کو طلاق نہ دے۔''[۵۰]

مہر صحتِ نکاح کے لیے لازم نہیں

ایک طرف تو یہ مہر عورت کا حق نہیں ہے تو دوسری طرف یہ مہر شادی کے لیے لازم بھی نہیں ہے۔اس کے بغیر بھی شادی وقوع پذیر ہو سکتی ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں: ① لڑکی کے والدین مہر لینے سے انکار کر دیں۔ ② دونوں فریق مہر کے اسقاط پر راضی ہو جائیں۔مہر کے بغیر کیا گیا نکاح قانوناً اور مذہباً صحیح شمار ہوگا۔کتاب مقدس میں ہے:

''تب ساؤل نے کہا تم داؤد سے کہنا کہ بادشاہ مہر نہیں مانگتا۔''[۵۱]

تعدّدِ اَزدواج

عیسائیت کی مذہبی کتب سے عام تصور ایک ہی بیوی کا ملتا ہے لیکن زیادہ بیویوں کی مثالیں بھی اس میں موجود ہیں' مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویوں (سارہ' ہاجرہ اور قطورہ) کا تذکرہ بائبل میں موجود ہے۔اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویوں (لیاہ' راخِل' بلہاہ اور زلفہ) کا تذکرہ بھی کتاب مقدس میں موجود ہے' جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ عیسائیت میں تعدد ازدواج پر کوئی پابندی نہیں ہے۔محمد مظہر الدین صدیقی عیسائیت کے تعدد ازدواج کے بارے میں لکھتے ہیں:

''عہد نامہ جدید میں ایک شادی کرنے کو پسندیدہ فعل تو ضرور قرار دیا گیا ہے لیکن بجز اساقفہ کے اور کسی عیسائی کو ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی ممانعت نہیں کی گئی۔تعدد ازدواج کے مخالفین اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ عیسائیت کو ایسا کرنے کی ضرورت اس وجہ سے محسوس نہیں ہوئی کہ جن لوگوں میں اس مذہب کی

تبلیغ کی گئی ان میں یہ رسم رائج ہی نہ تھی لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔عیسائیت کے اولین مخاطب یہود تھے جو پہلی صدی عیسوی میں تعدد ازدواج کی رسم پر عامل تھے۔بعض عیسائی علماء نے یہودی علماء اور احبار کو اسی بنا پر مطعون کیا کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کرتے تھے لیکن ابتدائے عیسائیت کے بعد کئی سو برس تک کلیسا کی کسی مجلس نے تعددِ ازدواج کی مخالفت نہیں کی اور کئی عیسائی بادشاہوں نے علانیہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھیں۔لیکن کلیسا نے اس پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔چنانچہ شارلمین نے دو عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنے کے علاوہ کئی ایک داشتہ عورتیں رکھ چھوڑی تھیں اور اس کے قوانین کے مِن جملہ ایک قانون سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کی رسم عیسائی ممالک میں بالکل ناپید نہ تھی۔''[۵۲]

عیسائی محققین نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ تعدد ازدواج پر کوئی پابندی نہیں ہے اور یہ ایک فائدہ مند اور قابلِ عمل چیز ہے۔مشہور عیسائی فلسفی ''سر طامس مور'' نے خود تعددِ ازدواج کو جائز قرار دے کر اس کو فائدہ مند قرار دیا ہے:

''مرد کے لیے ایک سے زیادہ عورتوں کو مباح کر دیا جائے۔یہی ایک دوا ہے جو تمام مہلک امراض کے حق میں تریاق ہے اور یہی وہ تیر بہدف نسخہ ہے جو سوسائٹی کے زہریلے جراثیم کو تباہ کر دیتا ہے۔یورپ میں سب سے بڑی بیماری اور متعدّی بلا یہ ہے کہ یہاں کے مردوں نے محض ایک عورت پر اکتفا کر لیا ہے۔یہی وہ تجدید ہے جس نے موجودہ زمانے میں ہماری لڑکیوں کو مردوں کے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا کرنے اور برسرِ بازار زنا اور فحش کاری کرنے' غرض یہ کہ دنیا بھر کی برائیوں اور مہلک بیماریوں کا شکار بننے کے لیے آمادہ کیا ہے۔''[۵۳]

ایک مشہور امریکی جریدے نے بائبل میں کثیر الازدواجی کے بارے میں لکھا ہے:

''گناہوں کی وجہ سے بنی اسرائیل کو جنگوں کا سامنا کرنا پڑا جیسے انہوں نے بھی قدیم اقوام پر مسلّط کی تھیں۔جنگوں میں ہزار ہا نوجوان کام آئے۔ہزاروں عورتیں بیوہ اور بغیر شادی کے رہ جاتیں۔کثیر الازدواجی (اگرچہ مثالی چیز نہ تھی) سے ان عورتوں کو معاشرہ میں معقول' مستحکم مقام حاصل ہو جاتا اور وہ جنسی بے راہ روی یا

بے بیاہی مائیں بننے سے بچ جاتیں۔''[۷۴]

اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عیسائی ازدواجی قانون میں تعدد ازدواج کو اگرچہ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا مگر پھر بھی اس سے منع نہیں کیا گیا اور نہ اس پر کوئی پابندی لگائی گئی ہے۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ عیسائیت میں تعدد ازدواج منع نہیں ہے۔

بیوہ کا نکاحِ ثانی

اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو اس عورت کو عیسائی قانون میں دوبارہ اپنا گھر بسانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس پر کوئی قید یا پابندی نہیں لگائی گئی کہ وہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ کتاب مقدس میں ہے:

''جب تک عورت کا شوہر جیتا ہے وہ اس کی پابند ہے پر جب اس کا شوہر مر جائے تو جس سے چاہے وہ بیاہ کرسکتی ہے۔''[۷۵]

کتاب مقدس میں دوسری جگہ اس مضمون کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے:

''چنانچہ جس عورت کا شوہر موجود ہے وہ شریعت کے موافق اپنے شوہر کی زندگی تک اس کے بند میں ہے لیکن اگر شوہر مر گیا تو وہ شوہر سے چھوٹ گئی۔ اگر شوہر کے جیتے جی دوسرے مرد کی ہو جائے گی تو زانیہ کہلائے گی لیکن شوہر مر جائے تو وہ اس شریعت سے آزاد ہے۔ یہاں تک کہ اگر دوسرے مرد کی ہو بھی جائے تو زانیہ نہ ٹھہرے گی۔''[۷۶]

بیوہ سے نکاح کی تفصیل

کتاب مقدس کی مندرجہ بالا عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ عورت اپنے شوہر کے مرجانے کے بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور عیسائی قانون اس کی اجازت دیتا ہے' مگر یہ بھی ذہن میں رہے کہ بیوہ صرف اپنے دیور سے بیاہ کرسکتی ہے اور کسی سے نہیں۔ اس کی تفصیل کتاب مقدس میں موجود ہے:

''اگر کئی مل کر ساتھ رہتے ہوں اور ایک ان میں سے بے اولاد مر جائے تو اس مرحوم کی بیوی کسی اجنبی سے بیاہ نہ کرے بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس کے پاس

جا کر اسے اپنی بیوی بنالے اور شوہر کے بھائی کا جو حق ہے وہ اس کے ساتھ ادا کرے اور اس عورت کے جو پہلا بچہ ہو وہ اس آدمی کے مرحوم بھائی کے نام کا کہلائے تاکہ اس کا نام اسرائیل میں سے مٹ نہ جائے اور اگر وہ آدمی اپنی بھاوج سے بیاہ نہ کرنا چاہے تو اس کی بھاوج پھاٹک پر بزرگوں کے پاس جائے اور کہے میرا دیور اسرائیل میں اپنے بھائی کا نام بحال رکھنے سے انکار کرتا ہے اور میرے ساتھ دیور کا حق ادا کرنا نہیں چاہتا۔ تب اس کے شہر کے بزرگ اس آدمی کو بلوا کر سمجھائیں اور اگر وہ اپنی بات پر قائم رہے اور کہے کہ مجھ کو اس سے بیاہ کرنا منظور نہیں ہے۔ تو اس کی بھاوج بزرگوں کے سامنے اس کے پاس جا کر اس کے پاؤں سے جوتی اتارے اور اس کے منہ پر تھوک دے اور یہ کہے کہ جو آدمی اپنے بھائی کا گھر آباد نہ کرے اس سے ایسا ہی کیا جائے گا۔ تب اسرائیلیوں میں اس کا نام پڑ جائے گا کہ یہ اُس شخص کا گھر ہے جس کی جوتی اتاری گئی تھی۔''[۷۷]

مطلّقہ کا نکاحِ ثانی

ماقبل ہم نے یہ بیان کیا کہ عیسائی قانون میں بیوہ کے نکاح پر کوئی پابندی نہیں ہے' مگر دوسری طرف عیسائی قانون مطلّقہ کو نہ تو نکاح ثانی کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی کسی مرد کو اجازت دیتا ہے کہ وہ کسی طلاق یافتہ سے بیاہ کرے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بغیر کسی وجہ کے طلاق دے اور وہ کسی سے بیاہ کرلے تو یہ اس شوہر کا گناہ ہے کہ اس نے بلاوجہ اس کو طلاق دے کر اسے زنا پر مجبور کیا۔ کتاب مقدس میں ہے:

''لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔''[۷۸]

اسی طرح اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسرا بیاہ کرے یا کوئی عورت اپنے شوہر کو چھوڑ کر دوسرا بیاہ کرے تو یہ بیاہ نہیں زنا شمار ہوگا۔ کتاب مقدس میں ہے:

''جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ

کرے تو وہ زنا کرتی ہے۔‘‘(۷۹)

کتاب مقدس میں اس بات کو کئی مقامات پر مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ طلاق یافتہ کا دوسرا بیاہ کرنا یا طلاق یافتہ سے کسی مرد کا بیاہ کرنا ’’زنا‘‘ شمار ہوگا۔

’’جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے۔‘‘(۸۰)

’’جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو شخص شوہر کی چھوڑی ہوئی عورت سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے۔‘‘(۸۱)

اس بحث کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بیوہ عورت کا نکاح ثانی تو عیسائی قانون میں جائز ہے لیکن مطلقہ کا نکاح کسی صورت بھی جائز نہیں ہے بلکہ مطلقہ سے نکاح کرنا زنا کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

زنا اور اس کی سزا

دنیا میں کوئی مذہب بھی ایسا نہیں ہے جو شادی کے بغیر مرد و عورت کے تعلق کو جائز قرار دیتا ہو۔ ہر تہذیب اور معاشرہ میں ایسے تعلق کو برا تصور کیا جاتا ہے اور ایسے جرم کے مرتکب کو سخت سزا دی جاتی ہے تاکہ معاشرہ کو اس برائی سے پاک رکھا جا سکے۔ آسمانی مذاہب میں تو اس فعل کی سزا موت ہے اسی لیے ان مذاہب میں مخلوط محفلوں سے بھی منع کیا گیا ہے جو زنا جیسے بُرے فعل کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ کتاب مقدس میں اس بارے میں کافی تفصیل موجود ہے:

’’اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا۔‘‘(۸۲)

دوسری جگہ اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

’’اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور انکو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں۔‘‘(۸۳)

زنا بالجبر کی سزا

اگر کوئی شخص کسی شادی شدہ لڑکی سے زبردستی زنا کرے تو اس صورت میں مجرم صرف مرد ہوگا اور اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ کتاب مقدس میں ہے:

’’اگر اس آدمی کو وہی لڑکی جس کی نسبت ہو چکی ہو کسی میدان یا کھیت میں مل جائے اور وہ آدمی جبراً اس سے صحبت کرے تو فقط وہ آدمی ہی جس نے صحبت کی مار ڈالا جائے۔ پر اس لڑکی سے کچھ نہ کرنا‘ کیونکہ لڑکی کا ایسا کوئی گناہ نہیں جس سے وہ قتل کے لائق ٹھہرے۔‘‘(۸۴)

جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کا لزوم

عیسائی قانون میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کنواری لڑکی سے زبردستی صحبت کر لے تو اب وہ لڑکی ہر صورت میں اس کی بیوی بنے گی اور وہ آدمی ساری زندگی اسے طلاق نہیں دے سکتا۔ کتاب مقدس میں ہے:

’’اگر کسی مرد کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو اور وہ اسے پکڑ کر اس سے صحبت کرے اور دونوں پکڑے جائیں۔ تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو لڑکی کے باپ کو چاندی کے پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے کیونکہ اس نے اسے بے حرمت کیا اور وہ اسے اپنی زندگی بھر طلاق نہ دینے پائے۔‘‘(۸۵)

یہ مضمون دوسری جگہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

’’اگر کوئی کسی کنواری لڑکی کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو‘ پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو وہ ضرور ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرے۔‘‘(۸۶)

خلاصۂ بحث

عیسائیت کے قانون ازدواج کی تفصیل تو ہمیں نہیں ملتی مگر جو مجمل تذکرہ ملتا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس مذہب میں بھی ہندومت اور یہودیت کی طرح عورت کو ایک بری چیز تصور کیا جاتا ہے حتیٰ کہ عورت کو گناہ کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔ اس مذہب

کے پیروکار یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو منع کردہ درخت کا پھل کھانے پر حضرت حوا علیہا السلام نے اُکسایا اس لیے اسے حیض کی گندگی اور بچہ جننے کی مشقّت دی گئی۔ ڈاکٹر خالد علوی عیسائیت میں عورت کی حیثیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مسیحیوں کے ہاں ایک مدت تک یہ بحث ہوتی رہی کہ عورت کے اندر روح بھی ہے یا نہیں اور بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ اس کے اندر روح تو ہے لیکن بڑی خبیث روح۔''(۶۵)

عیسائیت میں عمومی طور پر شادی بیاہ سے اجتناب کا تصور ملتا ہے اور ازدواج سے پرہیز کو تقویٰ اور بلند اخلاق کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خود کی شادی نہیں ہوئی۔

اس کے علاوہ یورپ میں ازدواجی تعلق کے نجس ہونے کا خیال بہت سے طریقوں سے مسیحیوں کے دل و دماغ میں بیٹھایا جاتا ہے۔ اس بارے میں سید مودودی فرماتے ہیں:

''جس روز چرچ کا کوئی تہوار ہو اس سے پہلے کی رات میاں بیوی نے یکجا گزاری ہو وہ تہوار میں شریک نہیں ہو سکتے۔ گویا انہوں نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس سے آلودہ ہونے کے بعد وہ کسی مقدس مذہبی کام میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہے۔''(۶۶)

مسیحیوں میں طلاق کا تصور نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس تصور کو اُجاگر کر کے لوگوں کو ازدواج سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

الغرض وہ مذہب جس کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ڈالی اور اسے ایک فطرتی دین کی صورت میں رائج کیا، اس میں کئی طرح سے تحریفات کر کے اسے ایک اُلجھا ہوا دین بنا دیا گیا جس کے قانون خاص کر ازدواجی قانون فطرت سے دور نظر آتے ہیں۔

حواشی (باب چھارم)

(۱) سیرت النبی ﷺ، ج ۴، ص ۲۴۸۔
(۲) اسلام اور عورت، ص ۲۲۔
(۳) کرنتھیوں، باب ۷: ۳۔۲، ص ۱۵۸۔
(۴) پردہ، ص ۲۶۔
(۵) خواتینِ ملّت، ص ۲۹۔
(۶) پردہ، ص ۲۵۔
(۷) پیدائش، باب ۲۱: ۱۲، ص ۲۰۔
(۸) ایضاً، باب ۲۴: ۲ تا ۴، ص ۲۲۔
(۹) پیدائش، باب ۳۴: ۴، ص ۳۵۔
(۱۰) ایضاً، باب ۲۶: ۳۴۔۳۵، ص ۲۶۔
(۱۱) قاموس الکتاب، ص ۵۵۹۔
(۱۲) سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا، ص ۳۰۷۔۳۰۸۔
(۱۳) ایضاً، ص ۳۰۸۔
(۱۴) خاندانی عبادت، ص ۶۶۔
(۱۵) بائبل کے زمانے کے رسوم و دستور، ص ۱۵۰۔
(۱۶) استثناء، باب ۲۲: ۲۳۔۲۴، ص ۱۸۷۔
(۱۷) بائبل کے زمانے کے رسوم و دستور، ص ۱۴۹۔۱۵۰۔
(۱۸) شادی کی تاریخ، ص ۱۵۷۔
(۱۹) بائبل، پیدائش، باب ۲۱: ۲۱، ص ۲۰۔
(۲۰) ایضاً، باب ۲۴: ۲ تا ۴، ص ۲۲۔
(۲۱) ایضاً، باب ۳۴: ۴، ص ۳۵۔
(۲۲) ایضاً، باب ۲۶: ۳۴۔۳۵، ص ۲۶۔
(۲۳) قاموس الکتاب، ص ۵۶۰۔

(۴۴) زبور، باب ۴۵: ۱۳۔۱۴، ص ۵۵۴۔
(۴۵) یسعیاہ، باب ۶۱: ۱۰، ص ۷۰۹۔
(۴۶) یرمیاہ، باب ۲: ۳۲، ص ۷۱۶۔
(۴۷) قاموس الکتاب، ص ۵۶۰۔
(۴۸) پیدائش، باب ۲۴: ۶۴۔۶۵، ص ۲۴۔
(۴۹) ایضاً، باب ۲۹: ۲۰ تا ۲۵، ص ۳۰۔
(۵۰) قاموس الکتاب، ص ۵۶۰۔
(۵۱) یسعیاہ، باب ۶۱: ۱۰، ص ۷۰۹۔
(۵۲) قاموس الکتاب، ص ۵۶۰۔
(۵۳) متی، باب ۹: ۱۵، ص ۱۲۔
(۵۴) بائبل کے زمانے کے رسوم و دستور، ص ۱۵۱۔
(۵۵) متی، باب ۲۵: ۱ تا ۷، ص ۲۹۔
(۵۶) ایف ایس خیر اللہ، قاموس الکتاب، ص ۵۲۰۔
(۵۷) پیدائش، باب ۲۹: ۲۱ تا ۲۳، ص ۳۰۔
(۵۸) قضاۃ، باب ۱۴: ۱۰، ص ۲۴۵۔
(۵۹) قاموس الکتاب، ص ۵۶۰۔
(۶۰) بائبل کے زمانے کے رسوم و دستور، ص ۱۵۰۔۱۵۱۔
(۶۱) قاموس الکتاب، ص ۵۶۰۔
(۶۲) قضاۃ، باب ۱۴: ۲۰، ص ۲۵۶۔
(۶۳) ایضاً، باب ۱۵: ۲، ص ۲۵۶۔
(۶۴) یوحنا، باب ۳: ۲۹، ص ۸۴۔
(۶۵) یوحنا، باب ۲: ۹۔۸، ص ۸۲۔۸۳۔
(۶۶) گیت اور زبور برائے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا، ص ۳۰۹۔
(۶۷) گیت اور زبور برائے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا، ص ۳۰۱۔
(۶۸) ایضاً، ص ۳۱۰۔

(۶۹) ایضاً، ص ۳۱۰۔
(۷۰) ایضاً، ص ۳۱۱۔
(۷۱) ایضاً، ص ۳۱۱۔
(۷۲) گیت اور زبور برائے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا، ص ۳۱۲۔۳۱۱۔
(۷۳) ایضاً، ص ۳۱۱۔
(۷۴) خاندانی عبادت، ص ۱۵۵۔
(۷۵) گیت اور زبور برائے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسیا، ص ۳۱۲۔
(۷۶) قاموس الکتاب، ص ۵۶۱۔
(۷۷) حزقی ایل، باب ۱۶: ۸، ص ۷۹۰۔
(۷۸) روت، باب ۳: ۹، ص ۲۵۷۔
(۷۹) قاموس الکتاب، ص ۵۶۱۔
(۸۰) روت، باب ۴: ۱۱۔۱۲، ص ۲۵۸۔
(۸۱) پیدائش، باب ۲۵: ۵۹۔۶۰، ص ۲۴۔
(۸۲) سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسیا، ص ۳۰۹۔۳۱۰۔
(۸۳) ایضاً، ص ۳۱۲۔۳۱۳۔
(۸۴) خاندانی عبادت، ص ۶۵۔۶۶۔
(۸۵) قاموس الکتاب، ص ۵۵۹۔
(۸۶) پیدائش، باب ۳۴: ۱۲، ص ۳۵۔
(۸۷) خروج، باب ۲۲: ۱۶۔۱۷، ص ۷۴۔
(۸۸) استثناء، باب ۲۲: ۲۸۔۲۹، ص ۱۸۸۔
(۸۹) خروج، باب ۲۲: ۱۶، ص ۷۴۔
(۹۰) ایضاً، ص ۵۵۹۔۵۶۰۔
(۹۱) سموئیل، باب ۱۸: ۲۵، ص ۲۷۹۔
(۹۲) اسلام میں حیثیتِ نسواں، ص ۱۶۴۔۱۶۵۔
(۹۳) عورت انسانیت کے آئینہ میں، ص ۱۷۷۔۱۷۸۔

(۷۴) The Plain Truth, March 1988, P23.

(۷۵) کرنتھیوں‘ باب ۷: ۲۶۔۲۷‘ ص ۱۵۸۔

(۷۶) رومیوں‘ باب ۷: ۲۔۳‘ ص ۱۴۵۔

(۷۷) استثناء‘ باب ۲۵: ۵ تا ۱۰‘ ص ۱۹۰۔

(۷۸) متی‘ باب ۵: ۳۲‘ ص ۸۔

(۷۹) مرقس‘ باب ۱۰: ۱۱۔۱۲‘ ص ۴۴۔

(۸۰) متی‘ باب ۱۹: ۹‘ ص ۲۳۔

(۸۱) لوقا‘ باب ۱۶: ۱۸‘ ص ۷۱۔

(۸۲) استثناء‘ باب ۲۲: ۲۲‘ ص ۱۸۷۔

(۸۳) ایضاً‘ باب ۲۲: ۲۳۔۲۴‘ ص ۱۸۷۔

(۸۴) ایضاً‘ باب ۲۲: ۲۵۔۲۶‘ ص ۱۸۷۔

(۸۵) استثناء‘ باب ۲۲: ۲۸۔۲۹‘ ص ۱۸۸۔

(۸۶) خروج‘ باب ۲۲: ۱۶‘ ص ۷۴۔

(۸۷) اسلام کا معاشرتی نظام‘ ص ۹۷۔

(۸۸) پردہ‘ ص ۲۶۔

باب پنجم

اسلام

میں شادی بیاہ کی تعلیمات

اسلام میں
شادی بیاہ کی تعلیمات

اللہ تعالیٰ نے جب اپنے فرستادہ انبیاء اور رُسل کے سلسلے کی تکمیل چاہی تو اللہ نے اس سلسلے کے سردار سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی بنا کر مبعوث کیا اور حضرت محمد ﷺ کی وساطت سے کائناتِ انسانی کو اسلام جیسا بے مثال دین اور قرآن پاک جیسا بے نظیر ولازوال معجزہ عطا کیا جس میں انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات کے متعلق مکمل نظام پیش کیا گیا ہے۔ اس آخری آسمانی کتاب کی بہت سی خصوصیات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے اس لیے اس کی تعلیمات قیامت تک تحریف سے پاک رہیں گی۔ دوسری آسمانی کتابوں میں تو ان کے پیروکاروں نے خود تحریف کر دی تھی جس کا ذکر قرآن پاک میں کئی مقامات پر موجود ہے۔

ان قرآنی احکامات کی نبی کریم ﷺ نے نہ صرف زبانی تفسیر بیان کی بلکہ ان کا عملی نمونہ بھی پیش کیا جو ہمارے پاس آج بھی احادیث مبارکہ کی روشنی میں بعینہٖ موجود ہے۔

دین اسلام کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ، کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں مکمل اور تفصیلی احکام اسلامی تعلیمات میں نہ ہوں۔ باقی نظاموں کی طرح اسلام کا ازدواجی نظام بھی ایک مکمل، مفصّل اور افراط وتفریط سے پاک نظام ہے جس کی تمام شقیں انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور عمل کرنے کے لیے بھی بہت آسان ہیں۔ بقول ڈاکٹر خالد علوی:

''اسلام کا ادارۂ ازدواج ایک مرتّب نظام ہے اس میں نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، ظہار اور لعان وغیرہ شامل ہیں۔ اس کی ہر ایک شق انسانی مزاج اور اس کی فلاح

کے عین مطابق ہے۔ یہ ادارہ انسانی اجتماعیہ کی بنیاد ہے۔ اگر اس کی تنظیم صحیح طریق پر ہو تو یوں سمجھئے کہ کوئی معاشرتی فساد رونما نہیں ہوگا۔''①

عبدالمجید دہلوی نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی کے متعلق رقم طراز ہیں:

''سرکارِ دو عالم ﷺ کی حیاتِ ازدواجی بھی اپنے اندر پوری کشش رکھتی ہے اور آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کا یہ پہلو بھی اتنا روشن اور منوّر ہے کہ دنیا آج بھی اس نور کے ضیاء سے اپنے گھروں کے ازدواجی اندھیروں کو دور کر سکتی ہے۔''②

ڈاکٹر اسرار احمد بیان کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ تفصیل سے عائلی اور خاندانی معاملات کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''قرآن حکیم میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ جو احکام دیے گئے ہیں وہ خاندانی نظام اور عائلی معاملات ہی سے متعلق ہیں۔ اس لیے کہ انسانی تمدن کی جڑ اور بنیاد یہی ہے۔ یہاں سے خاندان بنتا ہے اور خاندانوں کے اجتماع کا نام معاشرہ ہے۔ پاکستانی معاشرے کی مثال لے لیجیے۔ اگر ہماری آبادی اِس وقت چودہ کروڑ ہے اور آپ ایک خاندان کے سات افراد شمار کر لیں تو ہمارا معاشرہ دو کروڑ خاندانوں پر مشتمل ہے۔ خاندان کا ادارہ مستحکم ہوگا تو معاشرہ مستحکم ہو جائے گا۔ خاندان کے ادارے میں صلاح اور فلاح ہوگی تو معاشرے میں بھی صلاح وفلاح نظر آئے گی۔ اگر خاندان کے ادارے میں فساد، بے چینی، ظلم اور ناانصافی ہوگی، میاں اور بیوی میں جھگڑے ہو رہے ہوں گے تو پھر وہاں اولاد کی تربیت صحیح نہیں ہو سکتی، ان کی تربیت میں یہ منفی چیزیں شامل ہو جائیں گی اور اسی کا عکس پورے معاشرے پر پڑے گا۔ چنانچہ خاندانی ادارے کی اصلاح اور اس کے استحکام کے لیے قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے احکام دیے گئے ہیں، جنہیں عائلی قوانین کہا جاتا ہے۔''③

مساواتِ مرد وزن

اسلام کے علاوہ باقی مذاہب، چاہے آسمانی ہوں یا غیر آسمانی، میں عورت اور مرد کے ازدواجی تعلقات کو بہت حد تک اخلاقی و روحانی ترقی کے لیے مانع تسلیم کیا گیا ہے، عورت اور مرد کے درمیان عدمِ مساوات کی دیوار کھڑی کر دی گئی ہے اور عورت کو مرد

سے کمتر حتیٰ کہ جانور سے بھی بدتر سمجھا گیا ہے۔لیکن اسلام نے مرد وزن میں مساوات کے تصور کو رائج کیا اور عورت کے وقار اور عزت کو مرد کے مساوی قرار دے کر نہ صرف اس کے حقوق کی حفاظت کی بلکہ اسے معاشرہ میں ایک عزت کا مقام بھی دلوایا جس کی بجا طور پر حوا کی بیٹی حق دار تھی۔قرآن پاک میں مرد اور عورت کے مساوات کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ (الحجرات)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور تمہیں قوموں اور قبیلوں کی شکل میں تقسیم کیا تا کہ باہم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔یقیناً اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ (خدا ترس اور) پرہیزگار ہے۔یقیناً اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اور) باخبر ہے۔''

ہندومت' یہودیت اور عیسائیت میں عورت کو وہ حقوق نہ دیے گئے جس کی وہ حق دار تھی۔یہودیت اور عیسائیت نے تو بنی نوع انسان کی پہلی غلطی کا سبب ہی عورت کو قرار دیا اور یہ عقیدہ بنا لیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ممنوعہ پھل کھانے پر حضرت حوا علیہا السلام نے اُکسایا تھا۔اگر تاریخی واقعات کو سامنا رکھا جائے تو یہ ایک افسانہ اور یہود و نصاریٰ کے ذہن کی اختراع معلوم ہوتی ہے جس کا مقصد صرف اور صرف اتنا ہے کہ عورت کو اس کے مرتبے سے کم کیا جائے۔

تاریخی حقائق اور واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ممنوعہ پھل حضرت آدم و حوا علیہما السلام دونوں نے کھایا تھا اور ان کو بہکانے والا شیطان تھا۔بعد میں انہوں نے توبہ کر لی تھی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کو معاف بھی کر دیا تھا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ (الاعراف)

''اور اُس (شیطان) نے قسمیں کھا کر اُن کو یقین دلایا کہ میں آپ دونوں کا بہت ہی خیر خواہ ہوں۔تو اُس نے دھوکہ دے کر انہیں مائل کر ہی لیا۔جب ان دونوں نے درخت (کے پھل) کو چکھا تو دونوں کا بدن ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہو گیا اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے جوڑ جوڑ کے رکھنے لگے اور اب ان دونوں کے رب نے ان کو پکارا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔''

اس آیت سے یہ ثابت ہو گیا کہ ممنوعہ درخت کا پھل کھانے میں حضرت آدم و حوا علیہما السلام دونوں برابر کے شریک تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو یکساں طور پر مخاطب کیا ہے اور مسلسل تثنیہ کا صیغہ استعمال ہو رہا ہے۔اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہودیت اور عیسائیت نے حضرت حوا کو جو موردِ الزام ٹھہرایا ہے اور پھر اس الزام کی بنا پر عورت کو مرد سے کمتر مقام دیا ہے' یہ ان کا اپنا اختراع ہے۔اس نظریہ کی قرآن مجید اور اسلام سے تائید نہیں ہوتی۔

اسلام: عورت کے حقوق کا ضامن

اسلام نے سب سے پہلے عورت کے حقوق کو نہ صرف تسلیم کیے بلکہ عملی طور پر معاشرہ میں عورت کو وہ بلند مقام دیا جس کی وہ صحیح معنوں میں حق دار تھی۔اسلام کا نظریہ مساواتِ مرد و زن ہی تھا جس کی بنیاد پر دنیا میں عورتوں کے حقوق کے لیے مختلف معاشروں میں تحریکیں اُٹھیں اور پھر معاشروں میں کسی نہ کسی درجہ میں عورتوں کو حقوق دیے گئے' لیکن اسلامی معاشرہ کی طرح عملی طور پر عورت کو دیے گئے مکمل حقوق کا عکس ہمیں کسی معاشرہ میں نظر نہیں آتا۔''اسلام کا فوجداری قانون'' میں عبدالقادر لکھتے ہیں:

> شریعتِ اسلامیہ نے عورت و مرد کے درمیان یہ مساوات آج سے تیرہ صدی قبل قائم کر دی تھی جب دنیا حقوق و فرائض میں عورت و مرد کے درمیان مساوات قائم کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔اس لیے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ سوسائٹی کی ضرورت اس مساوات کا محرک بنی ہے' بلکہ اصل محرک یہ ضرورت ہے کہ شریعتِ

اسلامیہ کی ان تمام اصولوں اور نظریات کے ساتھ تکمیل کر دی جائے جو اس کے کمال اور دوام کے لیے ناگزیر ہے۔ عورت اور مرد کے درمیان مساوات قائم کر کے شریعتِ اسلامیہ نے جس رفعت کا مظاہرہ کیا ہے اس کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب ہمارے سامنے یہ حقیقت آتی ہے کہ جدید قوانین میں عورت مرد کی مساوات کا تصور انیسویں صدی میں قابلِ قبول ہوا ہے اور آج بھی بعض قوانین میں عورتوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے مخصوص معاملات میں بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے کوئی تصرف کر سکیں۔''④

شادی کی تاکید از روئے اسلام

دنیا کے مختلف مذاہب نے شادی بیاہ کے بارے میں مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔ یہودی معاشرہ نے اسے سوشل کنٹریکٹ قرار دیا کہ جب چاہا توڑ دیا' کسی نے اسے اٹوٹ قرار دے کر اس میں مظلومیت کا عنصر شامل کر دیا اور عیسائیت نے تو نکاح اور ازدواجی زندگی سے دور رہنے اور رہبانیت اور تجرد کی زندگی اختیار کرنے کو ہی اعلیٰ اخلاق کا ذریعہ اور روحانیت کی معراج قرار دے کر اس سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔

اسلام نے ازدواجی زندگی کے متعلق صاف ستھرا اور قابلِ عمل تصور پیش کیا جس کی تکمیل سے انسانی زندگی بہاروں کی مانند کھلنے لگتی ہے اور انسان بے شمار معاشرتی اور اخلاقی اُلجھنوں سے نکل کر ایک صحت منداور پُرسکون زندگی بسر کر سکتا ہے۔ بقول ایم عبدالرحمٰن:

''اسلام سے پہلے بعض مذاہب نے عورت و مرد کے ازدواجی تعلق کو اخلاقی اور روحانی ترقی کے لیے مانع قرار دیا۔ اسلام نے اس نظریے کو قبول نہیں کیا اور بتایا کہ اخلاق و روح کی بالیدگی جس قدر مجرد کے ساتھ ممکن ہے اس سے کہیں زیادہ ازدواجی تعلق میں ممکن ہے۔ اخلاق تو نام ہی حسنِ معاملہ اور حسنِ سلوک کا ہے۔ اگر کسی کا شوہر نہ ہو' کسی کی بیوی نہ ہو' کسی کا باپ نہ ہو' کسی کی ماں نہ ہو' کسی کے بھائی نہ ہوں اور کسی کی بہن نہ ہو' اور نہ کسی سے رشتہ ناطہ ہو' تو اس پر دنیا کی کیا ذمہ داریاں عائد ہو سکتی ہیں اور پاکیزہ اخلاق کی تکمیل کے لیے اسے کون سے فطری مواقع مل سکتے ہیں۔ اسلام نے نکاح کو صاحبِ استطاعت مرد و عورت کے لیے بہتر اور خیر و برکت کا سبب بتایا ہے۔''⑤

اسلام نے نکاح کو انسانی زندگی کی اکائی قرار دے کر اسے لازمی قرار دیا ہے اور قرآن پاک میں کئی مقامات پر استطاعت رکھنے والے مرد و عورت کو نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (النور)

''تم میں سے جو (مرد و عورت) بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو' اور اپنے نیک بخت غلاموں اور لونڈیوں کا بھی۔ اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی بنا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا' علم والا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بے نکاحوں کے نکاح کا حکم فرمایا۔ یہاں ''اَلْاَيَامٰى'' سے مراد صرف غیر شادی شدہ مرد و عورت نہیں ہیں' بلکہ اس سے مراد ہر وہ مرد و عورت ہے جو بے نکاح ہو' چاہے ابھی اس کا نکاح ہی نہ ہوا ہو یا نکاح ہونے کے بعد وفات یا طلاق کی وجہ سے عقدِ نکاح ختم ہو گیا ہو۔ بقول مولانا اشرف علی تھانویؒ:

''احرار میں جو بے نکاح ہوں' خواہ مرد خواہ عورت اور خواہ ابھی نکاح ہی نہ ہوا ہو یا وفات یا طلاق سے اب تجرد ہو گیا ہو' تم ان کا نکاح کر دو اور اس طرح تمہارے غلام اور لونڈیاں ہیں جو نکاح کے لائق ہوں یعنی حقوقِ زوجیت ادا کر سکے ان کا بھی نکاح کر دیا کرو اور محض اپنی مصلحت کے خیال سے' باوجود غلام و لونڈیوں کی ضرورت ہونے کے' ان کی مصلحت کو فوت مت کیا کرو۔''⑥

احادیث میں بھی بے نکاحوں کو نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے فوائد بھی احادیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرَجِ))⑦

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شخص نکاح کرنے کی طاقت رکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ نکاح کرے' کیونکہ نکاح کرنا انسان کی نظر کو (گناہوں سے) باز رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے۔''

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے نکاح کو افزائشِ نسل کا سبب قرار دے کر نکاح کی ترغیب دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ))⑧

''محبت کرنے والی' زیادہ بچے جننے والی عورت سے تم بیاہ کرو اس لیے کہ میں تمہاری کثرت کی بنا پر سابقہ اُمتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔''

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات اور احادیث ہیں جن میں نکاح کی اہمیت اور فوائد کو بیان کیا گیا جن سے نکاح کی ضرورت و اہمیت مکمل طور واضح ہو جاتی ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ شادی بیاہ کا وہ معاملہ جس سے باقی مذاہب نے دوری اختیار کی' اسلام نے اسے بہت اہمیت بخشی اور معاشرہ میں رہتے ہوئے برائیوں سے بچنے کے لیے شادی کو لازمی قرار دیا۔ بقول سید ضاء الدین:

''قرآن وسُنّت میں ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ کوئی مرد ہو یا عورت اسے نکاح کرنا چاہیے۔ معاشرہ کی خرابیوں اور ماحول کی گندگیوں سے بچنے کے لیے شادی کرنا افضل عمل ہے تاکہ آدمی نکاح کر کے ماحول کی گندگی سے اپنا دامن پاک وصاف رکھے۔ عام حالات میں نکاح کرنا سنت ہے اور مخصوص حالات میں نکاح کرنا واجب ہو جاتا ہے۔''⑨

اگرچہ شادی انسان کی فطری' جنسی' اخلاقی اور معاشرتی ضرورت ہے تاہم اس کے باوجود یہ ایک دینی ضرورت بھی ہے کیونکہ اس سے انسان کے تزکیۂ نفس اور اخلاق وکردار پر بڑے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے شادی کو باعثِ ثواب قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَرَاَیْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِیْ حَرَامٍ اَکَانَ عَلَیْهِ فِیْهَا وِزْرٌ؟ فَکَذَالِكَ اِذَا وَضَعَهَا فِی الْحَلَالِ کَانَ لَهٗ اَجْرًا))⑩

''تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص حرام طریقے سے شہوت پوری کرے تو اسے گناہ نہیں ہوتا؟ (یقیناً ہوتا ہے) لہٰذا جو شخص حلال طریقے سے اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اسے اجر وثواب سے بھی نوازا جاتا ہے۔''

معیارِ رشتہ: دین داری

انتخابِ رشتہ کے وقت ہر فریق کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے فریق میں زیادہ سے زیادہ خوبیاں ہوں۔ ایک باپ اپنی بیٹی کے لیے اچھے سے اچھا شوہر تلاش کرنے کی فکر میں ہوتا ہے۔ ایک ماں اپنے بیٹے کے لیے خوب سے خوب تر دلہن بیاہ لانے کی کوشش کرتی ہے۔ ایک شوہر اپنی ہونے والی بیوی کو بلند تر معیار و مرتبہ کی مالک دیکھنا چاہتا ہے۔ الغرض ہر شخص بہتر سے بہترین اور خوب سے خوب تر کا متمنّی ہوتا ہے' مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ہر شخص کا معیار دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ کسی کے نزدیک صورت معیار ہے تو کسی کے نزدیک سیرت' کوئی دولت کو ترجیح دیتا ہے تو کوئی برادری کو' کوئی دنیوی منصب کو ترجیح دیتا ہے تو کوئی دین داری کو' الغرض سب کا معیار ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

اسلام سے پہلے جتنے بھی مذاہب تھے ان سب میں معیارِ رشتہ کے حوالے سے ایک بات عام تھی کہ انہوں نے دنیوی جاہ ومنصب اور ظاہری خوبصورتی کو ترجیح دی' جبکہ اسلام نے شکل وصورت' مال ودولت' جاہ ومنصب' ذات برادری کے مقابلے میں دین داری' خوش اخلاقی اور تقویٰ کو ترجیح دی تاکہ شادی کے بعد شروع ہونے والی نئی زندگی کا آغاز بھی اسلام پر ہو اور انجام بھی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

((تُنْکَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاكَ))⑪

''عورت سے چار وجوہ کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے: اس کے مال ودولت یا حسب و نسب یا حسن وجمال یا دین واخلاق کی وجہ سے — تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں — تم دین دار عورت سے کامیابی حاصل کرو۔''

یہاں ایک بات بیان کرنا ضروری ہے کہ دین داری کو ترجیح دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شریکِ حیات عالم وفاضل ہو اور کسی دینی مدرسہ کا سند یافتہ ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ شریکِ حیات میں دین پر عمل کرنے کی روح زندہ اور جذبہ بیدار ہو۔ اس کی طرزِ

زندگی اسلام کے مطابق ہو‘اس کا اندازِ گفتگو مہذّبانہ ہو‘اس کے معمولات شریفانہ ہوں‘اس کے اخلاق کریمانہ ہوں اور اس کا کردار بے داغ ہو۔⑫

نبی کریم ﷺ کے اور بہت سے ارشادات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دین دار بیوی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور شادی بیاہ میں دین داری کو ہی ترجیح دینی چاہیے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے نیک بیوی کو خوش بختی اور بری بیوی کو بدبختی کی علامت قرار دیا:

((مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ : اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ وَالْمَسْكَنُ الصَّالِحُ وَالْمَرْكَبُ الصَّالِحُ وَمِنْ شِقْوَةِ ابْنِ آدَمَ :اَلْمَرْأَةُ السُّوْءُ وَالْمَسْكَنُ السُّوْءُ وَالْمَرْكَبُ السُّوْءُ))⑬

’’بنی آدم کی خوش بختی کی علامات یہ ہیں : نیک بیوی‘ کشادہ گھر‘اور اچھی سواری۔اور بنی آدم کی بدبختی کی علامات یہ ہیں: بری بیوی‘ تنگ گھر‘ اور بُری سواری۔‘‘

ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے نیک بیوی کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرار دیا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ))⑭

’’دنیا فائدہ کی چیز ہے اور سب سے بہترین فائدہ نیک عورت (بیوی) میں ہے۔‘‘

نوٹ: ان روایات میں زیادہ تر عورتوں کی دین داری کا تذکرہ آیا ہے‘لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ مرد دین دار نہ بھی ہو تو خیر ہے‘ بلکہ جتنی دین داری عورت کے لیے ضروری ہے اتنی ہی مرد کے لیے بھی۔ ہمارے معاشرے میں مرد کی دین داری کو نہیں دیکھا جاتا اور ایک دین دار لڑکی کا بیاہ ایک آوارہ مرد سے کر کے اس لڑکی کو بھی بے حیائی کے گڑھے میں دھکیل دیا جاتا ہے۔مولانا اشرف علی تھانویؒ ایسے واقعات پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کتنی ہی ایسی پاکباز نیک لڑکیاں ہیں جو اپنے ماں باپ کے گھر میں عفت و پاکبازی اور شرافت و دینداری اور حیا و باپردگی میں مثال تھیں‘ لیکن وہ شادی کے بعد کسی آزاد گھرانے اور آزاد منش فاسق وفاجر کے نکاح

میں چلی گئیں تو اس کے زیر اثر اس کے بہلانے پھسلانے اور جبر و اکراہ سے آہستہ آہستہ ایسی بے حیا اور آزاد اور بے راہ رو بن گئیں کہ ان کہ یہاں نہ فضائل و مکارم کی کوئی قیمت رہی اور نہ ہی عفت و پاکبازی اور شرافت کی کوئی حیثیت رہی۔‘‘⑮

دین داری کے ساتھ دیگر ترجیحات

رشتہ کے انتخاب کے وقت دین داری تو سب سے بلند تر چیز ہے جسے ہر حال میں ترجیح دینی چاہیے‘ لیکن اس کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ دین و اخلاق دیکھتے ہوئے باقی تمام خوبیوں کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے۔ممکن ہے کہ ایک لڑکی نہایت دین دار ہو مگر اس کی شکل وصورت خاوند کو اچھی نہ لگتی ہو یا اس کا مزاج خاوند سے نہ ملتا ہو تو ظاہر ہے ایسی صورت میں ان دونوں کا نباہ ناممکن ہو جاتا ہے اور اگر وہ بالجبر نباہ کی کوشش کریں گے تو ان کی ازدواجی زندگی خوشگوار نہیں رہے گی۔اس لیے بہتر یہی ہے کہ شادی کے تمام تر مقاصد کی تکمیل اور فوائد کی تحصیل کے لیے دین داری کے ساتھ درج ذیل خوبیوں کو بھی مدنظر رکھا جائے کیونکہ ان کی طرف بھی اسلام ہی توجہ دلاتا ہے:

① باکرہ ہونا

بہت سی احادیث میں کنواری لڑکی کو شادی کے لیے موزوں ترین قرار دیا گیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِالْاَبْكَارِ فَاِنَّهُنَّ اَعْذَبُ اَفْوَاهًا وَاَنْتَقُ اَرْحَامًا وَاَرْضَى بِالْيَسِيْرِ))⑯

’’کنواری عورت سے نکاح کیا کرو کیونکہ وہ شیرین گفتار ہوتی ہیں‘ زیادہ بچے جنتی ہیں اور تھوڑی چیز پر راضی ہو جاتی ہیں۔‘‘

لڑکی کا باکرہ ہونا استحباب پر مبنی ہے ورنہ طلاق یافتہ اور بیوہ عورت سے نکاح کرنا بھی جائز ہے۔نبی مکرم ﷺ کی تمام ازواجؓ میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باکرہ تھیں جبکہ باقی تمام یا تو طلاق یافتہ تھیں یا پھر بیوہ تھیں۔

بعض اوقات کسی مصلحت کی بنا پر کنواری کے بجائے بیوہ سے نکاح کرنا زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے‘ مثلاً بیوہ عورت سے شادی کرنے کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا

جواب ملاحظہ کریں:

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگ میں تھا..... آپؐ نے (مجھ سے) پوچھا کیا: ''تو نے نکاح کیا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں! آپؐ نے فرمایا: ''باکرہ (کنواری) سے یا ثیبہ (شوہر دیدہ) سے؟'' میں نے کہا: ثیبہ سے۔ آپؐ نے فرمایا: ''کنواری عورت سے کیوں نہیں کیا کہ تو اس کے ساتھ کھیلتا' وہ تیرے ساتھ کھیلتی!'' میں نے کہا:

اِنَّ لِیْ اَخَوَاتٍ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اَتَزَوَّجَ امْرَأَةً تَجْمَعُهُنَّ وَتَمْشُطُهُنَّ وَتَقُوْمُ عَلَيْهِنَّ[14]

''میری چند بہنیں ہیں (اور میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے) لہٰذا میں نے چاہا کہ ایسی عورت سے شادی کروں جو ان کو جمع کرے اور ان کے سروں میں کنگھی کرے اور ان کی نگرانی کرے۔''

② زیادہ بچے جننے والی ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف بھی توجہ دلائی کہ ایسی عورت سے شادی کرو جو زیادہ بچے جننے والی ہو اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ میری اُمت دوسری اُمتوں سے تعداد میں زیادہ ہوگی اور میں اس پر فخر کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا:

((تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ))[18]

''محبت کرنے والی' زیادہ بچے جننے والی عورت سے تم بیاہ کرو اس لیے کہ میں تمہاری کثرت کی بنا پر سابقہ اُمتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے یہ کیسے معلوم ہوگا کہ عورت زیادہ بچے جننے والی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس خاندان کی باقی عورتوں پر قیاس کر کے اس بات کا اندازہ لگایا جائے گا۔

③ خوبصورت ہونا

شادی کا مقصد خاندانی زندگی کی تشکیل' جنسی جذبات کی تسکین اور خوشگوار و پر لطف

زندگی کا حصول ہے۔ اس مقصد کے لیے بیوی ایسی ہونی چاہیے جو خوبصورت ہو اور جسے دیکھ کر خاوند خوشی اور سکون محسوس کرے۔ حضرت یحییٰ بن جعدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَيْرُ فَائِدَةٍ اِسْتَفَادَهَا الْمُسْلِمُ بَعْدَ الْاِسْلَامِ اِمْرَأَةٌ جَمِيْلَةٌ تَسُرُّهُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا وَتُطِيْعُهُ اِذَا اَمَرَهَا وَتَحْفَظُهُ اِذَا غَابَ عَنْهَا فِيْ مَالِهِ وَنَفْسِهَا))[19]

''اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان شخص کے لیے سب سے بڑے فائدہ کی چیز خوبصورت بیوی ہے' کہ جب وہ (خاوند) اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے' اور جب وہ اسے کوئی حکم دے تو وہ بجا لائے' اور اس کی عدم موجودگی میں وہ اس کے مال اور اپنی عزت کی حفاظت کرے۔''

④ ہم پلّہ (کفو) ہونا

کفو کا لغوی معنی ہے برابری۔ اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ مرد اور عورت کی حیثیت میں برابری ہو۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے کفو کی تعریف کرنے کے بعد ان اجزاء کا بھی تذکرہ کیا ہے جن میں مرد کا عورت کے ہم پلّہ ہونا ضروری ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''کفو وہ شخص کہلاتا ہے جو مذہب' نسب' آزادی' پیشہ' دیانت اور تمول میں ہم سَر ہو..... امورِ کفاءت حسب ذیل ہیں جن میں مرد کا عورت کے ہم سر ہونا ضروری ہے: (۱) اسلام (۲) نسب (۳) آزادی (۴) پیشہ (۵) دیانت (۶) تمول (مالی برابری)۔''[20]

احناف کے نزدیک ان سب چیزوں میں برابری لازمی ہے' شوافع کے نزدیک نسب' دین' آزادی اور پیشہ میں برابری کا اعتبار ہوگا' مالکیہ کے نزدیک صرف دین داری میں برابری لازمی ہے اور باقی چیزیں غیر اعتباری ہیں' جبکہ اہلِ ظواہر کے نزدیک کسی بھی چیز میں برابری لازمی نہیں ہے۔

نوٹ: کفو کا اطلاق صرف مرد پر ہوتا ہے کہ مرد عورت کا کفو ہو اور عورت کا مرد کے کفو ہونا ضروری نہیں ہے اس لیے کہ عورت مرد کی زوجہ ہونے کے سبب اپنے شوہر کے ہم پلّہ سمجھی جائے گی۔

پیغامِ نکاح

قرآن وسنت میں مرد وعورت کو نکاح کرنے کی زبردست ترغیب دی گئی ہے اور اُمتِ مسلمہ کو اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ جن لوگوں کا نکاح نہیں ہوا ان کا نکاح کرادو۔ نکاح کے لیے رشتہ تلاش کرنے کی ذمہ داری زیادہ تر لڑکی اور لڑکے کے والدین کی ہوتی ہے۔ والدین رشتہ تلاش کرتے ہیں اور نکاح کا پیغام دے کر اس رشتہ کو پکّا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عورت اور مرد کو بھی اپنے رشتہ کا پیغام بھیجنے کی اجازت ہے۔

عورت کا اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کرنا یا پیغامِ نکاح بھیجنا

اسلام نے عورت کو جہاں اتنے حقوق دیے ہیں وہاں ایک حق یہ بھی دیا ہے کہ وہ اپنے نکاح کا پیغام کسی مرد کو دے سکتی ہے اور اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کر سکتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں تو اسے برا خیال کیا جاتا ہے مگر جہاں تک اسلام کی بات ہے تو اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت خود کو نکاح کے لیے پیش کر سکتی ہے:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے آپ کو (نکاح کے لیے) پیش کر کے کہنے لگی: یارسول اللہ! کیا آپ کو میری ضرورت ہے؟ حضرت انسؓ کی لڑکی نے کہا: ہائے بے شرمی' کس قدر بے حیا وہ عورت تھی! تو انہوں نے کہا: وہ تجھ سے بہتر تھی کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رغبت تھی اور انہوں نے اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیش کیا۔''[۲۱]

اسی طرح حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے نفس کو آپؐ کو ہبہ کر دیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

اِنِّی وَهَبْتُ مِنْ نَفْسِیْ [۲۲]

ان روایات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ عورت اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کر سکتی ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مرد کا کسی عورت کو پیغامِ نکاح بھیجنا

جس طرح ایک عورت اپنا پیغامِ نکاح خود بھیج سکتی ہے اسی طرح مرد بھی کسی عورت کو اپنا پیغام نکاح بھیج سکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (البقرۃ)

''اور تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اگر تم کنایہ باتوں میں عورتوں کو نکاح کا پیغام دو یا (نکاح کی خواہش کو) اپنے دل میں چھپا رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان سے (نکاح کا) ذکر کرو گے۔ لیکن ان سے خفیہ طور پر قول وقرار نہ کرنا' مگر (ایامِ عدت میں) اتنی بات کہو جو شرع میں معروف ہے۔ اور نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا جب تک لکھا ہوا حکم (عدت) اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے۔ اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو۔ اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا' حلیم ہے۔''

نکاح کا پیغام دیتے وقت بالکل صریح الفاظ کے بجائے اشارہ کنایہ سے بات کرنا زیادہ افضل ہے' کیونکہ اشارہ کنایہ سے بات کرنے میں شرم وحیا کا لحاظ رہتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ملاحظہ کریں:

''﴿فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ابن عباسؓ نے فرمایا: وہ کہے میرا نکاح کا ارادہ ہے اور میری خواہش ہے کہ مجھے کوئی صالح عورت میسّر آجائے — قاسم نے فرمایا: وہ عورت سے کہے تم میری نظر میں شریف ہو اور میرا میلان تمہاری طرف ہے اور اللہ تمہیں بھلائی پہنچائے گا یا اسی طرح کے جملے — عطاء نے فرمایا: تعریض وکنایہ سے کہے صاف صاف نہ کہے مثلاً کہے کہ مجھے ضرورت اور تمہیں بشارت ہو اور تم اللہ کے فضل سے کھری ہو اور عورت اس کے جواب میں کہے کہ تمہاری بات میں نے سن لی ہے' بصراحت کوئی وعدہ نہ کرے۔''[۲۳]

رشتہ پر رشتہ بھیجنے کی ممانعت

اگر کسی لڑکی کی کسی لڑکے کے ساتھ رشتہ کی بات پکّی ہو چکی ہو اور دونوں خاندان مکمل طور پر رضامند ہو گئے ہوں تو پھر کسی دوسرے شخص کا اس لڑکی کے گھر رشتہ کا پیغام بھیجنا تا کہ اس پہلے رشتے کو خراب کیا جا سکے' جائز نہیں ہے۔ یہ ایک قبیح اور اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے اور اسلام اسے بالکل پسند نہیں کرتا اور اس سے پیدا ہونے والے مفاسد کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے اسے سختی سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے معاشرہ میں دشمنی کی فضا پیدا ہوتی ہے اور معاشرہ کا امن وسکون تباہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ فَلَا یَحِلُّ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یَبْتَاعَ عَلٰی بَیْعِ اَخِیْهِ وَلَا یَخْطُبَ عَلٰی خِطْبَةِ اَخِیْهِ حَتّٰی یَذَرَ))[۴۴]

''ہر مؤمن دوسرے مؤمن کا بھائی ہے اس لیے اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے اور نہ ہی وہ اس کے پیغامِ نکاح پر اپنا پیغامِ نکاح بھیجے حتیٰ کہ وہ دست بردار ہو جائے۔''

ایک روایت میں یہ مضمون بایں الفاظ مذکور ہے:

((وَلَا یَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰی خِطْبَةِ اَخِیْهِ حَتّٰی یَتْرُكَ الْخَاطِبُ قَبْلَهُ اَوْ یَاْذَنَ لَهُ الْخَاطِبُ))[۴۵]

''اور کوئی آدمی وہاں پیغام نہ بھیجے جہاں اس کے مسلمان بھائی نے پہلے سے پیغام دیا ہو' البتہ اگر پہلے پیغام بھیجنے والا دست بردار ہو جائے یا (اپنے ساتھ) دوسرے کو بھی (پیغام بھیجنے) کی اجازت دے دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔''

ان دونوں روایات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جب کسی نے لڑکی کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا اور بات پکی ہو گئی تو اب کسی دوسرے کے لیے یہ جائز نہیں رہتا کہ وہ بھی اپنا پیغام نکاح بھیجے' مگر ہمارے معاشرے میں اس حدیث کے خلاف عمل رواج پا چکا ہے۔ پہلے تو لڑکی کا رشتہ آتا نہیں ہے اور جب کوئی ایک رشتہ آتا ہے اور بات باہمی رضامندی تک پہنچ جاتی ہے تو پھر رشتہ پر رشتہ بھیجا جاتا ہے جس سے باہمی عداوتیں پیدا ہو جاتی

ہیں۔ بقول سید ضیاء الدین:

''مذکورہ احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی بھائی کسی کے ہاں رشتہ اور نکاح کا پیغام دے تو دوسرے کسی کو نکاح کا پیغام نہیں دینا چاہیے۔ عموماً ہمارے معاشرے میں یہ بات عام ہے کہ کسی کی بہن اور بیٹی گھر میں رشتہ کے انتظار میں بیٹھی ہے تو کوئی ان سے رشتہ طلب نہیں کرتا' لیکن جب ان کے ہاں کسی نے نکاح کا پیغام بھیجا ہوتا ہے تو پھر ہر طرف سے اعزّہ واقارب نکاح کا پیغام دینے لگ جاتے ہیں جس کی وجہ سے باہمی عداوتیں پیدا ہو جاتیں ہیں اور اختلافات بڑھ جاتے ہیں اسی لیے اسلام نے اس بات سے سختی سے منع کر دیا ہے۔''[۴۶]

منگیتر کو ایک نظر دیکھنے کی اجازت

اسلام چونکہ ایک فطرتی دین ہے اس لیے اسلام نے مرد کو نکاح سے پہلے لڑکی کو ایک نظر دیکھنے کا اختیار دیا ہے۔ اس طرح دیکھنے سے نکاح میں رغبت پیدا ہو گی اور نکاح کے بعد کسی قسم کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہو گا۔ تمام علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس کو ایک نظر دیکھ لینا مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا خَطَبَ اَحَدُكُمُ الْمَرْاَةَ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی مَا یَدْعُوْهُ اِلٰی نِكَاحِهَا فَلْیَفْعَلْ)) قَالَ فَخَطَبْتُ جَارِیَةً فَكُنْتُ اَتَخَبَّاُ لَهَا حَتّٰی رَاَیْتُ مِنْهَا مَادَعَانِیْ اِلٰی نِكَاحِهَا وَ تَزَوَّجْتُهَا[۴۷]

''جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو نکاح کا پیغام بھیجے تو پھر اسے چاہیے کہ اگر ممکن ہو تو نکاح کے ارادے کی وجہ سے اس کو دیکھ لے''۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کی اور پھر میں اسے چھپ کر دیکھنے کی کوشش کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کی وہ چیز (خوبصورتی) دیکھ لی جس کی غرض سے میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ پھر میں نے اس سے شادی کر لی۔''

اور بھی کئی احادیث میں اس موضوع کو بیان کیا گیا ہے' مثلاً محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کی' پھر میں نے اسے چھپ کر دیکھنے کی

کوشش کی حتیٰ کہ میں نے اسے اس کے کھجور کے باغ میں دیکھ ہی لیا۔ان سے کہا گیا: آپ صحابی ہو کر ایسا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اِذَا اَلْقَی اللّٰہُ فِیْ قَلْبِ امْرِئٍ خِطْبَۃَ امْرَأَۃٍ فَلَا بَأْسَ اَنْ یَنْظُرَ اِلَیْھَا)) [28]

''جب اللہ تعالیٰ کسی مرد کے دل میں کسی عورت سے شادی کا ارادہ ڈال دے تو اس کے لیے اس عورت کو دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نکاح کے ارادے سے منگیتر کو دیکھنا جائز ہے' بلکہ مستحسن ہے کہ جس کو نکاح کا پیغام بھیجنا ہو اُس کو دیکھ لینا چاہیے۔

نوٹ: شادی کی بات چیت یعنی منگنی کے وقت لڑکے اور لڑکی کا ایک دوسرے کو ایک نظر دیکھنا یا بات چیت کرنا اس حد تک تو جائز ہے کہ دیگر لوگوں کی موجودگی میں ایسا کیا جائے جیسا کہ احادیث میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے' مگر ان ملاقاتوں کو معمول بنا لینا یا نکاح سے پہلے خلوت میں ملاقات کرنا حرام ہے اس لیے کہ منگنی نکاح نہیں ہے' بلکہ نکاح کا ایک معاہدہ ہے اور ممکن ہے کہ یہ معاہدہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچے۔اس لیے نکاح سے پہلے لڑکے اور لڑکی کا خلوت میں ملنا' ملاقاتیں کرنا یا اکٹھے گھومنا پھرنا حرام ہے۔باقی رہا ٹیلی فون پر بات کرنے کا مسئلہ تو اس میں بھی بہتر یہی ہے کہ اس سے بھی اجتناب برتا جائے۔[29]

منگنی اور اس کی رسومات

شادی سے پہلے شادی کے معاملات طے کرنا اور شادی کے لیے لڑکے اور لڑکی کے سرپرستوں کا ایک دوسرے کے سامنے اظہارِ رضامندی ''منگنی'' کہلاتا ہے۔نکاح و رخصتی سے پہلے نکاح کی بات پکّی کر لینا یا دوسرے لفظوں میں نکاح کا پیغام بھیج کر رشتہ پکا کر لینا جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔اسلام سے قبل بھی عرب میں یہ رواج تھا کہ لوگ شادی سے پہلے منگنی کر لیتے تھے اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس نے منع نہ فرمایا۔

منگنی دراصل صرف نکاح کے وعدے کا نام ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں لڑکی کی منگنی ہو گئی ہے اب اس کے گھر رشتہ بھیجنا جائز نہیں ہے اور یہ وعدہ زبانی

کلامی بھی ہو سکتا اور خط لکھ کر بھی یا آج کے جدید دور میں ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے۔اس کے علاوہ ہمارے معاشرے میں جتنی منگنی کی رسومات رائج ہیں وہ سب کی سب لغو اور پیسہ کا ضیاع ہیں' اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک جملہ میں منگنی کی رسومات کا شرعی جائزہ پیش کیا ہے:

''منگنی میں یہ تمام بکھیڑے جو آج کل رائج ہیں' سب لغو اور خلافِ سنت ہیں۔ زبانی پیغام اور جواب کافی ہے۔''[30]

منگنی کی اس سادہ سی رسم کو معاشرتی طور پر بہت پیچیدہ بنا دیا گیا کہ شادی اور منگنی کی تقریب کا فرق ہی مٹ گیا ہے اور متوسّط طبقہ کے ایک آدمی کو بھی ان رسومات کی ادائیگی کے لیے سود پر قرض لینا پڑتا ہے' حالانکہ ان رسومات کا اسلامی تعلیمات میں کوئی نام ونشان نہیں ملتا۔اب ہم یہاں چند ان چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جن کو منگنی میں لازمی تصور کر لیا گیا ہے اور جن کے بغیر منگنی کی رسم کو نامکمل تصور کیا جاتا ہے۔

منگنی میں برادری کی شرکت

آج کل منگنی کے موقع پر تمام برادری کا جمع ہو کر لڑکی کے گھر جانا منگنی کی رسم کا حصہ بن چکا ہے۔لڑکی والے پہلے شادی کے موقع پر بارات سے تنگ تھے تو اب سونے پر سہاگہ' کہ منگنی کے موقع پر بھی بارات کا رواج عام ہو گیا۔بعض لوگ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ مشورہ لینے کے لیے اپنی تمام برادری کو جمع کیا ہے' حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔یہ سب نفس کی تاویلیں ہیں کیونکہ اگر مشورہ ہی کرنا تھا تو دو تین لوگوں کو بلا کر مشورہ کر لیا جاتا۔

منگنی کی انگوٹھی

منگنی کے موقع پر انگوٹھی پہنانا اب رواج سے آگے بڑھ گیا ہے کیونکہ اس کے بغیر تو اب منگنی کا تصور ہی ذہن میں نہیں آتا۔اگر کوئی تحفہ دینے کی نیت سے انگوٹھی دیتا ہے یا تعلقات بڑھانے کے لیے دیتا ہے تو پھر یہ جائز ہے۔اس صورت میں یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کی ہے کہ انگوٹھی اگر تحفہ کی نیت سے دی ہے تو خدانخواستہ منگنی ٹوٹنے کی

صورت میں انگوٹھی واپس لینا غیر مناسب ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تحفہ دے کر واپس لینے والے کو اخلاق سے گرا ہوا قرار دیا ہے — اور اگر یہ انگوٹھی ایک رسم کے طور پر دی جاتی ہے تو یہ پیسے کا ضیاع ہے اور اسراف وتبذیر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

دوسری عمومی خرابی اس میں یہ دیکھی گئی ہے کہ عموماً مردوں کو بھی سونے کی انگوٹھی پہنائی جاتی ہے حالانکہ مرد کے لیے سونا پہننا حرام ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نکاح جیسے پاکیزہ رشتہ کا آغاز ہی ایک حرام کام سے کیا جا رہا ہے۔

منگنی کے موقع پر شیرینی

منگنی کی رسم میں ایک اور چیز جو لازمی قرار دے دی گئی وہ منگنی کے موقع پر مٹھائی یا کسی اور میٹھی چیز سے لوگوں کا منہ میٹھا کرانا ہے۔ بعض علاقوں میں تو شادیوں کی طرح چھوارے اور بد وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے۔ بعض علاقوں میں یہ رسم بھی ہے کہ منگنی کے موقع پر لڑکے والے منگنی کے موقع پر مٹھائی، ناریل اور اس قسم کی چیزیں لاتے ہیں اور لڑکی کو اپنے گھر سے لایا جوڑا پہنا کر اسے ایک کرسی پر بٹھایا جاتا ہے اور اس کی گود میں یہ مٹھائی وغیرہ ڈالی جاتی ہے اور پھر منگنی کی انگوٹھی پہنائی جاتی ہے۔

منگنی کے موقع پر منہ میٹھا کرنا کوئی غیر اسلامی بات نہیں ہے مگر اس درجہ پیسے خرچ کرنا جو اسراف کے زمرے میں آئے، جائز نہیں ہے۔ حافظ مبشر حسین منگنی کی رسومات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''منگنی کے جواز کا یہ معنی نہیں کہ منگنی کے موقع پر بھی شادی کا سماں پیدا کر لیا جائے اور برات کی شکل میں منگنی کے لیے فوج ظفر موج لڑکی والوں کے گھر کی طرف مارچ کرے اور بڑے پیمانے پر مٹھائی اور تحائف وغیرہ کا تبادلہ کیا جائے..... یہ سب فضول خرچیاں ہیں بلکہ نوبت تو اب یہاں تک آ پہنچی ہے کہ منگنی کے موقع پر کی جانے والی رسومات کسی طرح بھی شادی کی رسومات سے کم نہیں ہوتیں۔''[۴۱]

مولانا تھانویؒ اسلام میں منگنی کی سادگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''غرض یہ سب خرافات واجب الترک ہیں۔ بس ایک کارڈ سے یا زبانی

گفتگو سے پیغامِ نکاح ادا ہو سکتا ہے۔ جانبِ ثانی اپنے طور پر ضروری امور کی تحقیق کر کے جب اطمینان ہو جائے ایک کارڈ یا زبانی وعدہ کر سکتا ہے۔ لیجئے منگنی ہو گئی۔ اگر استحکام کے لیے یہ رسمیں برتی جاتی ہیں تو اول کسی مصلحت کے واسطے معاصی کا ارتکاب جائز نہیں۔''[۴۲]

الغرض منگنی نکاح کے معاہدہ کو پکّا کرنے کی حد تک تو جائز ہے، مگر اس میں ایسی غیر اسلامی رسومات (جن میں اسراف ہو) کی کوئی اجازت نہیں ہے۔ اسلام ایک حد میں رہ کر خوشیاں منانے کی اجازت دیتا ہے اور اس سے منع نہیں کرتا مگر جب خوشی میں معاصی کا ارتکاب ہو تو اسلامی قانون شریعت اسے ناجائز اور ممنوع قرار دیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شادی سے پہلے منگنی کرنا محض جواز کی حد تک ہے ورنہ یہ کوئی شادی کا ضروری حصہ نہیں کہ پہلے منگنی ہی کی جائے اور بعد میں شادی۔ عہدِ رسالتؐ میں منگنی کے بجائے نکاح کا رواج تھا اور خود رسول اکرم ﷺ نے منگنی کے بجائے سیدھا نکاح کا راستہ اختیار کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ منگنی کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسکی ادائیگی کے لیے سود پر قرض لیا جائے۔ یہ تو بس جواز کی حد تک ہے۔ یہاں یہ ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی منگنی کے بجائے براہِ راست نکاح کو اختیار کیا ہے اس لیے اگر کوئی شخص کسی بھی سے وجہ سے منگنی نہیں کرتا تو برادری کا اس کو کسی بھی قسم کا طعنہ دینا بہت سخت گناہ ہے اور اس پر اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔

شادی کی عمر

اسلام سے پہلے جتنے بھی مذاہب تھے ان میں شادی کے لیے ایک خاص عمر مقرر کر دی گئی کہ فلاں عمر میں شادی کی جا سکتی ہے۔ ہندومت میں ۲۴ سال کی لڑکی اور ۴۸ سال کے مرد کا بیاہ سب سے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے جبکہ دوسری طرف ہندوؤں میں بچپن کی شادی کا رواج بھی عام ہے۔ یہودیت اور عیسائیت نے بھی شادی کے لیے ایک عمر مقرر کر دی کہ لڑکی کی عمر ۱۲ سال اور لڑکے کی ۱۸ سال ہونی چاہیے۔

اسلام چونکہ ایک فطرتی دین ہے اس لیے اسلام نے شادی کے لیے کوئی خاص عمر مقرر نہیں کی بلکہ ایک اصول اور ضابطہ مقرر کر دیا کہ شادی کے لیے ''بلوغت'' ضروری ہے۔ اب ہر علاقے اور ہر ملک میں بالغ ہونے کا دورانیہ ایک سا نہیں ہے۔ کسی علاقے کا موسم گرم ہوتا ہے اور وہاں لڑکا لڑکی جلد بالغ ہو جاتے ہیں' جبکہ کسی علاقے کا موسم سرد ہوتا ہے اور وہاں بالغ ہونے میں زیادہ عرصہ لگ جاتا ہے۔ اب اسلامی قانونِ ازدواج کے مطابق جو لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جائیں ان کی شادی شرعاً جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ (النساء:٦)

''اور یتیموں کی جانچ پرکھ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں (یعنی بالغ ہو جائیں)۔ پھر اگر تم ان کے اندر سوجھ بوجھ پاؤ تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔''

محمد صدیق خان شبلی قرآن کی ان اصطلاحات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قرآن کی دو اصطلاحیں رُشد اور بلوغ ہیں جس کے حوالے سے مسلمان فقہاء نے شادی کے عمر کے مسئلے پر بحث کی ہے۔ رُشد جیسا کہ اس آیت میں ہے: ''یتیموں کی تربیت کرو یہاں تک کہ وہ شادی کی عمر کو پہنچ جائیں اور اگر تم ان میں رُشد (پختہ قوتِ فیصلہ) پاؤ تو ان کے مال کو ان کے حوالے کر دو۔'' (النساء:٦) اس آیت میں قرآن رشد یا ذہنی پختگی کو زیادہ اہمیت دیتا ہے' لیکن قانون کے بیشتر مکاتب نے بلوغ (تولیدی نظام کے آغاز) کو شادی کی کم از کم عمر قرار دیا ہے۔ بلوغ لڑکیوں کے لیے نو سال سے پندرہ سال کی عمر کا زمانہ ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں ذہنی اور جسمانی پختگی میں کافی فرق ہو سکتا ہے۔ لڑکوں کے لیے بلوغت کی عمر بارہ سال ہو سکتی ہے۔''[٣٣]

سید ضیاء الدین لکھتے ہیں:

''شرعاً شادی کی کوئی عمر مقرر نہیں ہے یہاں تک کہ بہتر یہ ہے کہ لڑکی بلوغت کو پہنچ جائے تو اس کا نکاح کر دیا جائے اور اگر کسی کو بلوغت کے بعد شادی کے بغیر

بدکاری میں مبتلا ہو جانے کا خوف رہتا ہے تو اس پر واجب اور ضروری ہے کہ وہ نکاح کرے۔''[٣٤]

اب سوال یہ ہے کہ لڑکی کس عمر میں بالغ تصور ہو گی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''دختر (لڑکی) کی بلوغ کی کوئی مدّت متعیّن نہیں' مگر نو برس سے پہلے بالغ نہیں ہو سکتی اور پندرہ برس کے بعد نابالغ نہیں رہ سکتی' یعنی ادنیٰ مدتِ بلوغ نو سال ہے جبکہ علاماتِ بلوغ پائی جائیں اور بلوغ کی علامات حیض وغیرہ ہے اور زیادہ سے زیادہ مدتِ بلوغ پندرہ سال ہے جبکہ علامات بلوغ نہ پائی جائیں۔ اسی پر فتویٰ ہے۔''[٣٥]

اس حوالے سے ایک معاشرتی برائی

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ والدین اپنی اولاد خاص کر لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کی وجہ سے نکاح نہیں کرتے اور لڑکیوں کی عمریں بڑھ جاتی ہیں اور پھر ان کی شادیاں نہیں ہوتیں۔ اس بنا پر والدین بہت پریشان اور ذہنی اذیّت میں مبتلا نظر آتے ہیں اور لڑکیوں کی زندگیاں تو مکمل تباہ ہو جاتی ہیں۔ اس لیے والدین کو چاہیے کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کی نکاح کی فکر کرنی چاہیے اور جیسے ہی کوئی اچھا رشتہ ملے شادی کر دینی چاہیے اور لڑکی کی تعلیم کی اتنی فکر نہیں کرنی چاہیے' کیونکہ وہ تو شادی کے بعد بھی تعلیم جاری رکھ سکتی ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت بھی نہیں۔[٣٦]

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق لڑکیوں کی شادی جلد کر دینی چاہیے۔ اگر کوئی اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرتا حالانکہ وہ بالغ ہے اور شادی کے قابل بھی ہے اور اس لڑکی سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اس کا گناہ کا ذمہ دار باپ ہو گا اس لیے کہ یہ باپ کی لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا: اَلصَّلَاةُ اِذَا آنَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفْئًا))[٣٧]

''اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا: نماز جب اس کا وقت آجائے' جنازہ جب تیار ہو جائے اور بے نکاحی لڑکی (کی شادی) جب اس کا کفو مل جائے۔''

ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے بالغ غیر شادی شدہ لڑکا یا لڑکی سے ہونے والے گناہ کا ذمہ دار والدین (خصوصاً باپ) کو قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

((مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهٗ وَاَدَّبَهٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا عَلٰى اَبِيْهِ))[۴۸]

''جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے' اس کو چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے' جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے۔ اگر اس کے بالغ ہونے کے بعد اس کے نکاح کا بندوبست نہیں کیا گیا اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اس گناہ کے ذمہ دار والدین ہوں گے۔''

ان روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شادی جلد سے جلد کر دینی چاہیے' مگر ایک بات کا پھر بھی خیال رکھنا چاہیے کہ شادی اتنی بھی جلدی نہیں کرنی چاہیے کہ لڑکا اور لڑکی کو شادی کے حقوق و فرائض کا ہی پتا نہ ہو۔ ہمارے معاشرے میں خاص کر پس ماندہ علاقوں میں لوگ بچپن میں اپنی اولاد کی منگنی کر دیتے ہیں اور تھوڑی عمر میں ہی ان کا بیاہ ہو جاتا ہے' جبکہ زوجین کو کچھ تمیز نہیں ہوتی کہ نکاح کیا چیز ہے۔ اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً ① بعض اوقات لڑکا نالائق نکلتا ہے اور پھر لڑکی کے والدین تفریق کی فکر کرتے ہیں۔ کوئی مسئلہ پوچھتے پھرتے ہیں اور کوئی بغیر مسئلہ جانے دوسری جگہ شادی کر دیتے ہیں۔ ② اگر لڑکے کو لڑکی پسند نہ آئے تو پھر لڑکا اپنے لیے اچھی لڑکی تلاش کر لیتا ہے اور اُس بچپن کی بیوی کو طلاق نہیں دیتا کہ طلاق دینا عرفاً عار کی بات ہے۔ اس طرح لڑکی بیچاری ساری زندگی ایسی حالت میں زندگی گزار دیتی ہے۔[۴۹]

ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شادی کوئی مذاق یا کھیل نہیں ہے اس لیے شادی کرتے وقت مکمل احتیاط سے کام لینا چاہیے اور بلوغت کے بعد ایسے وقت میں شادی کرنی چاہیے جب لڑکا لڑکی کو کچھ سمجھ بوجھ آجائے اور یہی اسلام کا منشا ہے اور یہی فطرت کے عین مطابق ہے۔

اسلامی ممالک میں لڑکا لڑکی کی شادی کی عمر

ماقبل ہم نے یہ بیان کیا کہ اسلام میں شادی کے لیے بلوغت لازمی ہے اور عمر کی کوئی خاص قید نہیں۔ اب ہم مختلف اسلامی ممالک کے عائلی قوانین کا تجزیہ کرتے ہیں کہ ان میں لڑکا اور لڑکی کی شادی کی کم از کم عمر کیا ہے۔[۵۰]

ملک کا نام	مرد کی عمر	عورت کی عمر
بنگلہ دیش	۲۱ سال	۱۸ سال
مصر	۱۸ سال	۱۶ سال
ایران	۱۴ سال ۶ ماہ	۸ سال ساڑھے پانچ ماہ
ملائیشیا	۱۸ سال	۱۶ سال
پاکستان	۱۸ سال	۱۶ سال
تیونس	۲۰ سال	۱۷ سال
ترکی	۱۷ سال	۱۵ سال

مرد اور عورت کی عمر میں تناسب

ہندومت اور باقی مذاہب میں مرد اور عورت کی عمر کے تناسب کو ملحوظِ خاطر نہ رکھا گیا' مگر اسلام نے عمر کے اعتبار سے کفو ہونے کا اصول پیش کیا کہ لڑکا اور لڑکی ہم عمر ہوں یا تھوڑا سا فرق ہو۔ یہ اگرچہ امر طبعی ہے' مگر شریعت میں بھی اس کی طرف اشارات موجود ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ (صٓ)

''اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی ہم عمر (عورتیں) ہوں گی۔''

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ (الواقعۃ)

''ہم نے ان (حوروں) کو پیدا کیا۔ پس انہیں کنواریاں' (شوہروں کی) پیاریاں (اور) ہم عمر بنایا۔''

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا منشا یہی ہے کہ عورت اور مرد ہم عمر ہوں اس لیے کہ اس کے بہت فوائد ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا رشتہ رد کرتے ہوئے فرمایا: وہ چھوٹی ہے۔

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہم عمر مرد و عورت کا نکاح ہونا چاہیے، مگر ہمارے معاشرے میں ہم عمری کے بجائے دولت اور منصب کو دیکھا جاتا ہے اور بعد میں اس کے مفاسد دیکھ کر سب پریشان ہو جاتے ہیں۔

والدین کی رضامندی

اسلام کے علاوہ تمام مذاہب میں والدین کی رضامندی کے بارے میں افراط وتفریط سے کام لیا گیا ہے، کہیں نکاح کا سارا دارومدار فریقین کی رضامندی پر ہے اور والدین کی اجازت کو بالکل چھوڑ دیا گیا جیسے یہودیت اور عیسائیت میں اس کا ثبوت ملتا ہے اور کہیں نکاح کو والدین کی اجازت پر موقوف کر دیا اور فریقین کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں رکھا گیا جیسے ہندومت میں اس کی مثال ملتی ہے۔

اسلام نے والدین اور فریقین کی اجازت میں درمیانی راہ پر عمل کیا ہے کہ دونوں کی اجازت کو نکاح میں ضروری قرار دیا بایں معنی کہ شادی بیاہ میں اصل اہمیت تو فریقین کی اجازت کی ہے مگر معاشرہ میں امن وسکون اور خاندانی نظام کی بقا کے لیے والدین کی رضامندی بھی ضروری ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیے کہ فریقین کی رضامندی وجوب کے درجے میں ہے اور والدین کی رضامندی استحباب کے درجے میں یعنی اگر والدین شادی پر راضی نہ بھی ہوں تو بھی وہ نکاح قانوناً اور مذہباً صحیح تسلیم کیا جائے گا مگر ایسے نکاح کو معاشرہ میں اچھا تصور نہیں کیا جاتا اور زوجین کی عزت پر بھی حرف آتا ہے۔ ایسا نکاح اخلاقاً اچھا نہیں سمجھا جائے گا اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلام نے نکاح میں والدین اور فریقین کی رضامندی کو بہت اہمیت دی ہے۔

باپ کو جبر کا حق نہیں

اسلام نے والدین کی رضامندی کو مستحسن قرار دیا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باپ جبراً بھی اپنی بیٹی کا نکاح کرا سکتا ہے۔ اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کا نکاح جبراً اس کی اجازت کے بغیر کسی سے کرا دے تو لڑکی کو اس نکاح کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ ایک نوجوان عورت دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوئی اور بیان کیا کہ میرے والد محترم نے میری شادی میرے چچازاد بھائی سے کر دی ہے۔ (اس عورت کی اس رشتہ سے ناگواری دیکھ کر) آپ ﷺ نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا (کہ تمہیں اس نکاح کے رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار ہے)۔ عورت نے (یہ سن کر اطمینان سے) کہا:

قَدْ اَجَزْتُ مَا صَنَعَ اَبِیْ وَلٰکِنْ اَرَدْتُّ اَنْ تَعْلَمَ النِّسَاءُ اَنْ لَیْسَ اِلَی الْآبَاءِ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ ﴿۴۱﴾

''میرے باپ نے جو کچھ کیا میں اس کی اجازت دے چکی ہوں، لیکن درحقیقت میرا ارادہ یہ تھا کہ عورتیں یہ جان لیں کہ باپ دادا کے ہاتھ میں (نکاح کے) معاملے میں کوئی اختیار نہیں ہے۔''

اسی طرح ایک اور روایت میں بھی اس موضوع کو صراحتاً بیان کیا گیا ہے کہ باپ اپنی بیٹی کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔ عبدالرحمٰن بن یزید اور مجمع بن یزید انصاری خبر دیتے ہیں کہ:

''خدام نامی شخص نے اپنی لڑکی کی شادی کی۔ ان کی لڑکی کو یہ رشتہ پسند نہ آیا چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئی اور اپنی ناپسندیدگی کا تذکرہ کیا۔ تو آپؐ نے اس کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو باطل قرار دے دیا اور پھر اس نے ابولبابہ عبدالمنذر سے شادی کر لی۔''﴿۴۲﴾

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بالغ عورت کو شادی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور لڑکی کو پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنا نکاح کرے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ

عفت وعصمت، محبت ومودت اور بقائے نسلِ انسانی جو نکاح کے بنیادی مقاصد ہیں، وہ بخوبی انجام پذیر ہوں۔

عورتوں کو نکاح کا اختیار

اسلام سے پہلے عورتوں کو شادی کا کوئی اختیار نہیں دیا جاتا تھا۔ باپ یا سرپرست اس کا نکاح جبراً بھی کرا سکتا تھا اور لڑکی اس معاملے میں بے اختیار تھی، مگر اسلام نے عورتوں کو اختیار دیا کہ وہ اپنی رضامندی سے نکاح کریں اور اسلام نے نکاح میں ولی کے بجائے فریقین کی رضامندی کو واجب قرار دیا اور یہ قاعدہ بنا دیا کہ بالغ اور بیوہ کی رضامندی کے بغیر سرپرست اس کا نکاح نہیں کر سکتا، ان کی اجازت ہر صورت میں لازمی قرار دی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ))[34]

''شوہر دیدہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کا حکم نہ ہو اور کنواری عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ حاصل کر لی جائے۔''

دوسری جگہ اس موضوع کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

((اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَاْذَنُ فِيْ نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا))[35]

''شوہر دیدہ عورت خود اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری کے نکاح کے وقت اس سے اجازت لے لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔''

مذکورہ احادیث اور ان جیسی کئی احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے شادی کے معاملے میں عورتوں کی رضامندی کو ضروری قرار دیا ہے اور بغیر عورت کی رضا کے اس کی شادی کسی بھی مرد سے نہیں کی جا سکتی۔

نوٹ: آزاد، عاقل، بالغ لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس

میں ایک فقہی اختلاف ہے جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ احناف کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر لڑکی اپنے کفو میں نکاح کرے تو منعقد ہو جائے گا اور اگر غیر کفو ہو تو نکاح نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عورتوں کے الفاظ سے نکاح بالکل منعقد نہیں ہوگا یعنی ان کے نزدیک ولی کی اجازت لازمی ہے۔[35]

مردوں کو نکاح کا اختیار

اس سے پہلے ہم نے یہ بیان کیا کہ عورت کو شادی بیاہ کے معاملے میں اپنا حق رائے استعمال کرنے کا مکمل حق ہے۔ تو اب ہم مختصر طور پر مردوں کے رضا کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں۔ اس کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ دنیا کے کسی معاشرے میں بھی مردوں پر جبر کرنے کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ ہر معاشرہ اور مذہب مردوں کے اختیارات کو تسلیم کرتا ہے اور ان کی رضامندی کے بغیر شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسلام نے بھی مردوں کو اپنی شادی کا مکمل اختیار دیا ہے کہ بالغ اور عاقل مرد کی رضا اور اجازت مقدّم ہے۔ چونکہ مرد کبھی بھی کسی زمانے میں مجبورِ محض نہیں رہا اس لیے اس معاملہ میں کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں ہے بس اتنا ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اسلام نے بالغ مرد کو مکمل طور پر اپنے نکاح کا اختیار دیا ہے مگر مرد کو بھی چاہیے کہ اپنی شادی کے موقع پر بڑوں اور والدین کی رائے کو بھی زیرِ غور لائے اور یہ کہہ کر ان کی رائے کو رد نہ کرے کہ اسلام نے تو مجھے مکمل اختیار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شادی کے معاملے میں تجربہ کار اور علم الانسان کے ماہرین کی رائے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اپنے والدین کی رائے لینے میں اس کا اپنا ہی بھلا ہے۔ اس لیے مردوں کو اپنے بڑوں کی رائے اور مشورہ ضرور لینا چاہیے۔

ولی کو حقِ مشورہ اور اس کا لحاظ

اسلام چونکہ ایک فطرتی دین ہے اس لیے اس نے نکاح میں فریقین کی اجازت کو

لازمی قرار دیا مگر یہ بھی کہا کہ اپنے والدین اور سرپرست سے مشورہ بھی لے لیا کرو اور اسلام نے ولی کو غیر کفو میں کیے گئے نکاح کو بھی فسخ کرنے کا اختیار دیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر لڑکی اپنا نکاح خود کرے تو اسے معاشرہ میں بے حیائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔عورت کو اس بے حیائی سے بچانے کے لیے اسلام نے یہ راہ نکالی ہے کہ عورت کا ولی اس کا نکاح اس کی اجازت سے کرائے۔نہ ولی اپنی مرضی کرے اور نہ لڑکی ولی کی رائے کو پس پشت ڈال دے۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''نکاح میں تنہا عورت کی رائے جائز نہیں کیونکہ ان کی عقل میں نقص ہے ان کا غور وفکر نسبتاً زیادہ اہم نہیں۔پھر مردوں کو عورتوں پر قوام بنایا گیا ہے۔ارباب حل وعقد مرد ہی ہیں۔پھر معاملہ ایسا ہے عورت کرے تو بے حیائی سے تعبیر ہو۔دوسرے آشنائی اور نکاح میں تمیز کے لیے بیچ میں اولیاء کا ہونا ضروری ہے تا کہ اس کی شہرت ہو سکے۔اس لیے عورت کو ولی کی رائے لینی چاہیے مگر ولی کو بھی یہ اختیار نہیں کہ صرف اپنی رائے سے عورت کی شادی کر دے اس لیے کہ معاملہ عورت کا ہے اور اپنا معاملہ جو خود عورت سمجھتی ہے مرد نہیں سمجھ سکتا۔نفع ونقصان عورت کو پہنچنے والا ہے اس لیے حکم اس سے لینا چاہیے۔''[۳۶]

نکاح کے ارکان

اسلام ایک سادہ اور فطرتی دین ہے اس لیے اس کے تمام احکامات بھی سادہ اور عمل کرنے میں آسان تر ہیں۔اب نکاح کے معاملے کو ہی لے لیں اس میں بھی بہت آسانیاں رکھی گئیں ہیں تا کہ لوگ اس سے یہ کہہ کر راہِ فرار اختیار نہ کریں کہ یہ تو بہت پیچیدہ معاملہ ہے۔

احناف کے نزدیک نکاح کا بس ایک ہی رکن ہے ''صیغہ'' یعنی ایجاب وقبول۔ باقی گواہوں اور مہر کا ہونا نکاح کی شرائط میں سے ہے۔

مالکیہ کے نزدیک نکاح کے پانچ ارکان ہیں:

① صیغہ	ایجاب وقبول
② ولی	ولی کا مجلسِ نکاح میں موجود ہونا

③ مہر	چاہے معجّل ہو یا غیر معجّل
④ مرد	وہ شخص جو نکاح کا ارادہ رکھتا ہے
⑤ عورت	وہ جس کا نکاح مرد کے ساتھ ہو رہا ہے

شوافع کے نزدیک بھی ارکانِ نکاح پانچ ہیں، مگر مالکی فقہ سے مختلف ہیں:

① صیغہ	ایجاب وقبول
② ولی	ولی کا مجلسِ نکاح میں موجود ہونا
③ گواہ	دو مرد گواہوں کا مجلسِ نکاح میں ہونا
④ مرد	وہ شخص جو نکاح کا ارادہ رکھتا ہے
⑤ عورت	وہ جس کا نکاح مرد کے ساتھ ہو رہا ہے

گواہی/شہادۃِ نکاح

نکاح کے ارکان میں سے ایک اہم رکن یہ ہے کہ نکاح کے موقع پر گواہ موجود ہوں اور گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہوا ہو اور انہوں نے اس ایجاب وقبول کی سماعت کی ہو۔

گواہوں کی موجوگی شرط ہے

ایجاب وقبول کے وقت گواہوں کا موجود ہونا سوائے امام مالکؒ کے باقی تمام فقہاء کے نزدیک شرط اور لازمی ہے کہ اس کے بغیر نکاح کا انعقاد نہیں ہوسکتا۔صاحبِ ہدایہ نے گواہوں کے شرط ہونے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاهدین[۳۷]

''مسلمانوں کا نکاح گواہوں کی موجودگی کے بغیر منعقد نہیں ہوسکتا۔''

مولانا مجاہد الاسلام گواہوں کی موجودگی کو نکاحِ صحیح کے لیے ضروری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نکاح صحیح ہونے کے لیے ایجاب وقبول کے وقت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔''[۳۸]

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے مختلف اقتباسات نقل کیے ہیں جن سے نکاح میں گواہوں کا ہونا شرط قرار پاتا ہے:

''ایجاب وقبول کے وقت گواہوں کی موجودگی جوازِ نکاح کی شرط کی حیثیت سے ماسوائے مالکیہ' عام علماء کے نزدیک مسلم ہے۔فقہاء نے اس کو نکاح کے جواز اور انعقاد کی شرط کہا ہے۔ چنانچہ برہان الدین علی ابن ابی بکر المرغینانی نے اپنی مستند کتاب ''ہدایہ'' کی ''کتاب النکاح'' میں شہادت کو نکاح کے جواز کی ایک شرط کہا ہے۔اسی طرح قاضی خان نے بھی ''کتاب النکاح'' کی فصل ''شرائط النکاح'' میں گواہوں کی موجودگی کو نکاح کی شرطِ جواز قرار دیا ہے۔الکاسانی نے بھی اپنی کتاب ''بدائع الصنائع'' میں گواہوں کی موجودگی کو انعقادِ نکاح کی شرط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ نکاح پاگلوں اور بچوں کی موجودگی میں منعقد نہیں ہوتا..... چونکہ شہادت ارکانِ عقد کی شرائط میں سے ہے اور عقد کے رکن ایجاب وقبول ہیں اور قبول کے بغیر عقد کے ایک رکن کا وجود نہیں ہوتا۔پس جس طرح بغیر قبول کے حقیقتاً عقد کا ایک رکن موجود نہیں ہوتا اسی طرح شرعاً بغیر شہادت کے اس رکن کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔''[۴۹]

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ عقد نکاح کی شرائط میں سے ایک شرط گواہوں کا موجود ہونا بھی ہے اور اس پر تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

گواہوں کی تعداد

قرآن کریم کی ''آیة مداینة'' گواہی کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔علماء نے نکاح کے بارے میں بھی اس سے استدلال کرتے ہوئے یہ قانون اختیار کیا ہے کہ نکاح کے وقت دو مرد گواہ ہوں یا پھر ایک مرد اور دو عورتیں۔آیت مبارکہ میں گواہی کے بارے میں اسی قاعدہ کو بیان کیا گیا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ..... وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ (البقرۃ:۲۸۲)

''اے ایمان والو! جب کسی مقرّر مدّت کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو..... پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو اس پر گواہ بنا لو۔اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو (گواہ بنا لو) ان میں سے جو گواہی پر راضی ہوں تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔''

مولانا مجاہدالاسلام نے بھی گواہوں کی تعداد کا ذکر کیا ہے:

''نکاح صحیح ہونے کے لیے ایجاب وقبول کے وقت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔''[۵۰]

گواہوں کی اہلیت

اس سے پہلے یہ واضح ہو گیا کہ نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی لازمی ہے اس کے بغیر نکاح پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔اب یہاں ان شرائط اور صفات کو بیان کیا جاتا ہے جن کا گواہوں میں ہونا ضروری ہیں۔فتاویٰ عالمگیری میں اس بارے میں کافی وضاحت موجود ہے:

وشرط فی الشاهد اربعة امور: الحرية والعقل والبلوغ والاسلام۔فلا ينعقد بحضرة العبد ولا بحضرة المجانين ولا بحضرة الكفار فی نكاح المسلمين۔ هكذا فی البحر الرائق ويصح بشهادة الفاسقين[۵۱]

''نکاح کے گواہوں میں چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: آزاد ہو' عاقل ہو' بالغ ہو اور مسلمان ہو۔تو غلام' پاگل' بچہ اور کفار کی گواہی مسلمانوں کے نکاح میں معتبر نہیں ہوگی۔اسی طرح بحرالرائق میں بیان ہوا ہے۔اور فاسق کی گواہی معتبر ہوگی۔''

صاحبِ ہدایہ نے بھی گواہوں کی ان ہی صفات کو بیان کیا ہے:

ولا ينعقد بنكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين او رجل وامرأتين عدولا او غير عدول او محدودين فی القذف[۵۲]

''نکاح منعقد ہوتا ہے دو آزاد' عاقل' بالغ' مسلمان مردوں کی گواہی سے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے' چاہے وہ عادل ہوں یا غیر عادل' چاہے وہ محدود فی القذف ہی کیوں نہ ہوں۔''

گواہی سے متعلق چند باتیں نوٹ کرلیں: ① نکاح کی گواہی کے لیے ضروری ہے کہ گواہ ایجاب وقبول کے وقت مجلس میں موجود ہوں اور انہوں نے ایجاب وقبول سنا ہو۔ ② فریقین کے ماں باپ یا ان کی اولاد گواہ تو بن سکتی ہے مگر اچھا یہی ہے کہ وہ گواہ نہ بنیں تاکہ ضرورت کے وقت عدالت میں گواہی معتبر ہو سکے جبکہ ماں باپ یا اولاد کی گواہی عدالت میں قابل قبول نہیں ہوگی۔ ③ گواہ دلہا اور دلہن کو جانتے ہوں یعنی ان کو معلوم ہو کہ فلاں کی بیٹی کا فلاں کے بیٹے سے نکاح ہو رہا ہے۔

فریقین کا قول وقرار/ ایجاب وقبول

نکاح کا سب سے اہم رکن لڑکا اور لڑکی کا ایجاب وقبول ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام مذاہب میں شادی کے لیے سب سے زیادہ اہمیت دُلہا دلہن کے قول وقرار کو دی جاتی ہے کہ اس کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوسکتا۔ یہودیت اور عیسائیت میں بھی نکاح کا سب سے اہم رکن ایجاب وقبول ہے، مگر ہندومت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں فریقین کے قول وقرار کے بجائے والدین کی اجازت کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے بایں معنی کہ والدین جس جگہ چاہیں نکاح کردیں لڑکی کو اپنی رضا استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اسلام نے نکاح کو متناکحین یعنی نکاح کرنے والوں کی اجازت پر موقوف کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ ان کی جازت کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نکاح میں ایجاب وقبول کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''نکاح مرد وعورت کے ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے..... نکاح کی بنیادی اور اہم ترین شرط یہ ہے کہ ایک فریق کی طرف سے ایجاب اور دوسرے کی طرف سے قبول ہو۔''[۵۳]

ایجاب وقبول کی تعریف

ایجاب وقبول کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں نکاح کے ارکان ہیں اور ان کے بغیر نکاح وجود میں نہیں آسکتا۔ ردالمختار میں ایجاب وقبول کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

(قوله من احدهما) اشار الى ان المتقدم من كلا م العاقدين ايجاب سواء كان المتقدم كلام الزوج او كلام الزوجة والمتاخر قبول[۵۴]

مولانا مجاہدالاسلام ایجاب وقبول کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''نکاح کے طرفین میں سے جس کسی کی طرف سے بھی پہلے اصالتاً، ولایتاً یا وکالتاً نکاح کی پیشکش جن الفاظ میں کی جائے ان الفاظ کو ''ایجاب'' اور دوسری جانب سے جن الفاظ سے اس پیشکش کو قبول کیا جائے ان الفاظ کو ''قبول'' کہا جاتا ہے۔''[۵۵]

صاحبِ اشرف الہدایہ ایجاب وقبول کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ایجاب اس لفظ کو کہتے ہیں جو احد المتعاقدین سے اولاً صادر ہوتا ہے اس لیے کہ وہ مخاطب پر اثبات یا نفی میں جواب کو واجب کرتا ہے اور جو لفظ احد المتعاقدین سے ثانیاً صادر ہوگا وہ قبول کہلائے گا۔''[۵۶]

ایجاب وقبول کے الفاظ

ایجاب وقبول کے لیے کوئی خاص اور مقرر الفاظ نہیں ہیں اور نہ یہ شرط ہے کہ ایجاب وقبول عربی میں ہو۔ بس ہر وہ جملہ جس سے نکاح اور زوجیت کا مفہوم ادا ہوجائے کافی ہے چاہے وہ کسی بھی زبان کا ہو۔ جیسے ہمارے معاشرے میں ''قبول'' کے لفظ سے قبول کیا جاتا ہے۔ بس اس ایجاب وقبول میں زمانہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ایجاب وقبول کے الفاظ کے بارے میں ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں:

> ''نکاح ایجاب وقبول کے ایسے الفاظ سے منعقد ہوسکتا ہے جو اپنی تاثیر کے اعتبار سے عاقدین نکاح کو شرع کے مطابق فوری طور پر رشتہ ازدواج میں منسلک کردیں۔ مثلاً میں نے اپنی لڑکی کو تمہارے نکاح میں دیدیا۔ میں نے اپنی لڑکی کو تمہارے ملک میں دیدیا۔ میں نے اپنی لڑکی کو تمہیں ہبہ کردیا۔''[۵۷]

ایجاب وقبول کے بارے میں چند اہم باتیں

① ایجاب وقبول ماضی کے صیغے کے ساتھ ہو مثلاً یوں کہا جائے: میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تجھ سے کردیا۔ اور اگر وہ اس طرح کہے کہ میں نکاح کردوں گا تو یہ ایجاب و

قبول مستقبل کے صیغے کے ساتھ صحیح نہیں ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایجاب وقبول میں سے ایک ماضی کے صیغے کے ساتھ ہو اور دوسرا مستقبل یا امر کے صیغے کے ساتھ۔ ایسی صورت میں ایجاب وقبول صحیح ہوگا۔[۵۸]

② ایجاب وقبول میں مجلس کا متّحد ہونا بھی لازمی ہے۔ اگر ایجاب کے بعد قبول کی مجلس بدل گئی یا ایجاب کے بعد قبول کرنے والے نے کوئی ایسا کام کیا کہ جس سے اس کی عدمِ توجہی ظاہر ہوگئی تو اب یہ ایجاب بیکار ہو جائے گا۔[۵۹]

③ ایجاب وقبول دونوں میں مطابقت ہونی چاہیے مثلاً وہ کہے: میں نے اپنی لڑکی کا نکاح بعوض پانچ ہزار مہر تجھ سے کر دیا۔ لڑکا: میں نے قبول کر لیا' یہ صحیح طریقہ ہے۔ اگر قبول کرتے وقت مہر کو کم یا زیادہ کر دیا گیا تو پھر ایجاب وقبول میں مطابقت نہیں رہے گی اور یہ ایجاب وقبول معتبر نہیں ہوگا۔[۶۰]

④ ایجاب وقبول کا عربی زبان میں ہونا ضروری نہیں ہے۔ نکاح اور طلاق ان معاملات میں سے ہے کہ کسی بھی زبان میں ان کا مفہوم ادا کرنے سے یہ واقع ہو جاتے ہیں۔ اب دُلہا ودلہن اپنی زبان میں ایجاب وقبول کر لیں تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا۔ جیسے ہمارے معاشرے میں اردو میں پوچھا جاتا ہے: ''فلاں بنت فلاں کا نکاح اتنے مہر کے عوض تجھ سے کیا جاتا ہے کیا تجھے قبول ہے'' اور پھر لڑکی سے بھی ان ہی الفاظ میں اس کی اجازت معلوم کی جاتی ہے۔[۶۱]

⑤ اشارے سے بھی ایجاب وقبول ہو جاتا ہے مگر اشارہ ایسا ہونا چاہیے جس میں ابہام کا کوئی احتمال نہ ہو۔ جیسے کوئی گونگا شخص سر ہلا کر اپنی رضا کو ظاہر کرتا ہے اسی طرح نکاح میں بھی اشارہ معتبر ہوگا۔

خط کے ذریعے ایجاب وقبول

اگر متعاقدین مجلس میں موجود ہوں اور کوئی عذر بھی نہ ہو تو وہ زبان سے ایجاب وقبول کریں گے۔

اگر متعاقدین میں سے کوئی مجلس میں موجود نہیں ہے تو اس کا ایجاب یا قبول خط کے

ذریعے بھی جائز ہے' مگر اس کے لیے چند شرائط ہیں: ① یہ خط گواہوں کے سامنے پڑھا جائے اور فریقِ ثانی اس کے جواب میں اپنی رضا ظاہر کرے۔ ② جس مجلس میں یہ خط پڑھا گیا ہے اسی مجلس میں دوسرا فریق اسے قبول بھی کرے۔ اگر مجلس بدل گئی تو یہ ایجاب وقبول معتبر نہیں ہوگا۔ ③ اگر اس خط کو گواہوں کے سامنے پڑھا نہیں گیا بلکہ فریقِ ثانی نے اسے پڑھ کر اس پر اپنی رضامندی ظاہر کرنے کے لیے دستخط کر دیے تو یہ قبول معتبر نہیں ہوگا۔ ④ متعاقدین میں سے ایک کا زبانی اظہار ضروری ہے یعنی ایک طرف سے تحریر تو دوسری طرف سے زبان سے اقرار ہونا چاہیے۔ دونوں طرف سے تحریر قابلِ قبول نہیں ہے۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اگر فریقین اصالتاً یا وکالتاً مجلسِ نکاح میں موجود ہوں تو زبانی ایجاب وقبول لازم ہوگا الّا یہ کہ کسی معذوری کے سبب ایسا کرنا ممکن نہ ہو..... اگر کوئی فریق اصالتاً یا وکالتاً مجلسِ نکاح میں موجود نہ ہو بلکہ اس کی طرف سے ایجاب مستند تحریر کی شکل میں موجود ہو اور وہ ایجاب بموجودگی گواہان مجلس نکاح میں پڑھا جائے اور فریق ثانی اس کے جواب میں اپنی منظوری ظاہر کر دے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر عورت کے پاس قاصد بھیجا یا اس کو ایجاب کا خط لکھا اور عورت مذکورہ نے ایسے دو گواہوں کے سامنے جنہوں نے قاصد کے کلام کو یا خط کی عبارت کو سنا' قبول کیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا کیوں کہ مجلس من حیث المعنی متحد ہے۔ اسی طرح اگر ایک عورت نے گواہوں سے کہا کہ فلاں مرد نے مجھے خط لکھا ہے' اس میں یہ مضمون ہے کہ وہ مجھ سے نکاح کرتا ہے پس تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اپنے نفس کو اس کے نکاح میں دیا۔ تو نکاح صحیح ہوگا کیوں کہ گواہوں نے عورت کا کلام اس کے قبول کرنے سے سنا اور مرد کا کلام (ایجاب) اس طریقہ پر سنا کہ مذکورہ عورت نے اس کا کلام ان گواہوں کو سنایا ہے۔''[۶۲]

فتاویٰ رحیمیہ میں بھی خط کے ذریعے ہونے والے ایجاب وقبول کو درست قرار دیا گیا ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ خط دُلہا لکھے یا دلہن:

> ''دُلہا نے دلہن کو خط لکھا میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں' جب دلہن کو خط پہنچا تو شرعی گواہوں کے سامنے پڑھا گیا اور اسی مجلس میں دلہن نے کہہ دیا کہ میں نے قبول

کیا تو نکاح منعقد ہوگیا..... دلہن نے دُلہا کو خط لکھا میں آپ سے نکاح کرتی ہوں، جب دُلہا کو خط پہنچا تو شرعی گواہوں کے سامنے پڑھا گیا اور اسی مجلس میں دلہا نے کہہ دیا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح منعقد ہوگیا۔''[۶۴]

تحریر کے ذریعے ایجاب وقبول کرنے کی صورت میں یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کی ہے کہ تحریر پر فریق ثانی کے دستخط کرنے اور گواہوں کے دستخط کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ گواہوں کے سامنے اس خط کو پڑھنا اور پھر زبانی اقرار کرنا بہر صورت لازمی ہے ورنہ یہ ایجاب وقبول معتبر نہیں ہوگا۔[۶۵]

ٹیلی فون پر ایجاب وقبول

آج کے اس جدید دور میں ٹیلیفون پر بھی نکاح کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ صرف فون پر ایجاب وقبول کرنا کافی نہیں ہوگا اس لیے کہ فریقین کی بات گواہ صحیح طرح نہیں سن سکیں گے۔ فون پر نکاح کی جائز صورت یہ ہے کہ کوئی ایک فریق فون پر کسی کو اپنے نکاح کا وکیل بنادے اور وکیل اس کی جگہ ایجاب وقبول کا فریضہ سرانجام دے اس طرح کرنے سے ایجاب وقبول صحیح ہوگا اور نکاح منعقد ہوجائے گا۔ مثلاً ہندہ، زید کو فون پر کہے کہ میں تم کو اس بات کا وکیل بناتی ہوں کہ تم اپنے آپ سے میرا نکاح کردو۔ اب زید گواہوں کی موجودگی میں کہے کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے ہندہ سے نکاح کرلیا۔ تو اب یہ نکاح ہوگیا مگر یہ بات بھی ضروری ہے کہ گواہ اس عورت کو جانتے بھی ہوں۔[۶۵]

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فون پر نکاح کرنے کو جائز قرار دیا ہے:

''لڑکی لڑکے کو یا کسی اور شخص کو یہ کہہ کر میں آپ کو فلاں شخص سے اپنے نکاح کا وکیل بناتی ہوں۔ آپ اپنے ساتھ یا فلاں شخص کے ساتھ میرا نکاح کردیں۔ وہ شرعی گواہوں کے سامنے کہہ کر، کہ فلاں نے مجھے اپنے نکاح کا میرے ساتھ یا فلاں شخص کے ساتھ وکیل بنایا ہے، نکاح کردے تو نکاح صحیح ہوجائے گا۔''[۶۶]

اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ فون پر ایجاب وقبول ہوسکتا ہے مگر احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ متناکحین اپنی زبان سے سب کے سامنے ایجاب قبول کریں تاکہ کسی دھوکہ

دہی کا امکان ہی نہ رہے۔

نوٹ: آج کل فون میں لاؤڈ سپیکر کی سہولت موجود ہے یعنی کسی کی آواز کو ایک شخص کے بجائے پورا مجمع سن سکتا ہے اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ایسی سہولت کے پیش نظر اب فون پر نکاح کی صورت میں کسی کو وکیل بنانے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئے گی، بلکہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعے ایجاب وقبول گواہ اور سب سن سکیں گے۔

مہر کا تصور

مہر درحقیقت اس معاوضہ اور مال کا نام ہے جو شوہر اپنی بیوی کو بوقت نکاح دیتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے مہر کی تعریف یہ کی ہے: ''المهر بدل البضع'' یعنی مرد کو عورت پر جو حقوق زوجیت حاصل ہوتے ہیں، مہر ان کا معاوضہ ہے۔ عبدالرحمٰن الجزیری نے مہر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

فهو اسم للمال الذين يجب للمراة فى عقد النكاح فى مقابلة الاستمتاع بها[۶۷]

''مہر اس مال کا نام ہے جو مرد پر لازم ہے کہ وہ نکاح کے ضمن میں عورت کو ادا کرے اس حق کے مقابلے میں جو عورت سے انتفاع کی صورت میں اسے حاصل ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن مہر کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''مہر اس مالی منفعت کا نام ہے جو شرعاً عورت مرد سے بعوض نکاح پانے کی مستحق ہوتی ہے۔''[۶۸]

اسلام میں مہر کا تصوّر

اس سے پہلے ہم مختلف مذاہب کو زیر بحث لائے مگر کسی مذہب نے مہر کو لازمی قرار نہیں دیا۔ ہندومت میں تو مہر کا تصور ہی نہیں ہے، جبکہ یہودیت اور عیسائیت میں اگرچہ مہر کا تصور موجود ہے، لیکن مہر نکاح کے لیے لازمی نہیں ہے بایں معنی کہ اگر کوئی مہر دے دے تو ٹھیک ہے اور اگر کوئی شادی کے وقت مہر نہ بھی مقرر کرے تو پھر بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے اسلام نے بیوی کو عزت دینے اور اس کو معاشی اعتبار سے مستحکم کرنے کے لیے مرد پر عورت کے لیے مہر مقرر کیا ہے۔ نکاح کے بعد عورت کا مرد پر سب سے پہلا حق یہ ہے کہ وہ مقرر کردہ مہر ادا کرے۔ اسلام میں مہر کے بغیر نکاح کا کوئی تصور نہیں ہے۔ قرآن وحدیث سے مہر کا وجوب ثابت ہے۔

مہر کا وجوب از روئے قرآن

قرآن کریم میں تقریباً آٹھ مقامات پر مہر کا تذکرہ کر کے اس کی اہمیت اور وجوب کو بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝ (النساء)

''اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ دیا کرو۔ پھر اگر وہ خود اپنی رضامندی سے اس میں سے کوئی چیز تمہیں چھوڑ دیں (یعنی کچھ حصہ معاف کر دیں) تو تم اس کو کھاؤ مزے سے خوشگواری سے۔''

مہر کے وجوب کے لیے یہ آیت بالکل ظاہر ہے اور اس آیت میں ''نِحْلَه'' کا لفظ ذکر کر کے اس کی وجوبیت کو مزید اُجاگر کر دیا گیا ہے اس لیے کہ ''نِحْلَه'' کا ایک معنی ''فریضہ'' کیا گیا ہے اور دوسرا ''عطیہ''۔ تو اب اس آیت کا مفہوم یہ بنے گا کہ یہ مہر جو تم پر فرض ہے اس کو خوش دلی سے ادا کرنا ایک عطیہ ہے۔ پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

''اس آیت سے مہر کا وجوب ثابت ہوتا ہے کہ جب عورت خوشی سے سارا مہر یا اس کا کوئی جزو معاف نہ کرے وہ مرد کے ذمے واجب الادا رہتا ہے۔''(۶۹)

اس کے علاوہ بھی قرآن پاک کی کئی آیات ہیں جو مہر کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً سورۃ النساء ہی کی ایک اور آیت ملاحظہ کریں:

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ..... فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:۲۵)

''اور جو کوئی تم میں سے اتنی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورت سے شادی کر سکے تو وہ تمہاری اُن مؤمنہ لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر لے جو تمہارے قبضہ میں ہوں .....سو اُن سے نکاح کو لو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور انہیں ان کے مہر ادا کرو اچھے طریقے سے۔''

اس سے پہلی آیت آزاد عورتوں کے مہر کے بارے میں تھی اور یہ آیت لونڈیوں کے مہر کے بارے میں ہے۔ اسلام کی اعلیٰ ظرفیت کا اندازہ اس بات سے آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے غلام جیسے نچلے طبقے کے لیے بھی مہر کو لازم کیا اور یہ ثابت کیا کہ اسلام آزاد عورتوں کی طرح غلاموں اور لونڈیوں کے حقوق کا بھی علَم بردار اور ضامن ہے۔

سورۃ المائدۃ کی ایک آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر مسلمان مرد کسی اہلِ کتاب عورت سے نکاح کرے تو اس کو بھی مہر دینا ضروری ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (المائدہ:۵)

''اور (تمہارے لیے حلال ہیں) اہلِ ایمان میں سے خاندانی عورتیں اور خاندانی عورتیں اُن لوگوں کی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، جب تم انہیں اُن کا مہر ادا کر دو۔''

ان کے علاوہ بھی قرآن مجید کی کئی آیات مہر کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں جن کو طوالت کی وجہ سے بیان نہیں کیا گیا۔

مہر کا وجوب از روئے حدیث

اسلامی شریعت کے دوسرے ماخذ سنت رسول اللہ ﷺ سے بھی مہر کے وجوب کے دلائل ملتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات اور اپنی بیٹیوں (رضی اللہ عنہن) کے مہر کو مقرر فرمایا جو اس کے وجوب کی علامت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کا مہر ''ساڑھے ۱۲ اُوقیہ یعنی پانچ سو درہم'' مقرر کیا تھا۔

''حضرت ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے (اپنے ازواج مطہرات ؓ کا) کتنا مہر مقرر کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کا مہر ساڑھے بارہ اُوقیہ مقرر کیا تھا جو پانچ سو درہم بنتے ہیں۔'' (۶۰)

اسلام میں مہر کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کے بغیر ہونے والے نکاح کو نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ وَالشِّغَارُ اَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهٗ عَلٰى اَنْ يُزَوِّجَهُ الْاٰخَرُ ابْنَتَهٗ لَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ (۶۱)

''رسول اللہ ﷺ نے نکاحِ شغار سے منع فرمایا ہے' اور نکاحِ شغار یہ ہے کہ مرد اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ وہ دوسرا شخص اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دے اور ان دونوں کے درمیان مہر کچھ نہ ہو۔''

اسی طرح اور بھی کئی احادیث ہیں جن سے اسلام میں مہر کی اہمیت اور وجوب کا پتا چلتا ہے' مگر ان احادیث کو طوالت کی وجہ سے بیان نہیں کیا گیا۔

مہر کی حکمت وفلسفہ

مہر کا وجوب قرآن وسُنّت سے ثابت ہے۔ اسلام نے اس کی اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے یہ حکم صادر کیا کہ مہر شوہر کے ذمّے قرض ہے اور اس کا ادا کرنا ہر صورت میں لازم ہے۔ اب ہم مہر مقرر کرنے کے فلسفے اور حکمت کو بیان کرتے ہیں کہ اسلام نے مہر کو کیوں مقرر کیا اور اس کے پس منظر میں کون سا فلسفہ کارفرما ہے:

① جس طرح نکاح کے ذریعے عورت کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے اسی طرح مہر مقرر کرنے کی حکمت بھی یہی ہے کہ اس سے عورت کے حقوق کو تحفظ دیا گیا ہے۔ عورت جب شادی کر کے شوہر کے گھر جاتی ہے تو وہاں وہ ایک نئی زندگی شروع کرتی ہے۔ اسے اس نئی زندگی شروع کرنے کے لیے اور اپنا گھر بار بنانے کے لیے متعدد اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت کی بعض ضروریات ایسی بھی ہوتی

ہیں جو وہ لوگوں کو بتانے میں شرم محسوس کرتی ہے۔ عورت کی ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے شریعتِ اسلامیہ نے مہر کو واجب قرار دیا ہے۔

② عبدالرحمٰن الجزیری نے مہر مقرر کرنے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس سے شوہر کی مکمل رضامندی ثابت ہو جاتی ہے اور بیوی کو سکون حاصل ہوتا ہے کہ اس کا شوہر اس سے بیاہ کرنے پر مکمل طور پر رضامند ہے۔ (۶۲)

③ مہر کی ایک حکمت عورت کو مالی اعتبار سے مضبوط کرنا ہے تاکہ وہ بوقتِ ضرورت اپنے مال کو خرچ کر سکے اور اگر کبھی اسے اپنے حقوق کی مدافعت کے لیے عدالت سے رجوع کرنا پڑے تو وہ اس مہر کی رقم کو خرچ کر کے آسانی سے یہ کام کر سکے۔ (۶۳)

④ اگر کسی عورت کا شوہر فوت ہو جائے یا کسی عورت کو اس کا شوہر طلاق دے دے تو یہ عورت اس مہر کی رقم سے اپنا کچھ گزارا کر سکے۔

⑤ اسلام نے مہر مقرر کر کے عورت کی عزت افزائی کی کہ عورت کوئی بے قیمت چیز نہیں ہے اور اس سے لڑکی کے خاندان والوں کو بھی کچھ حوصلہ ہوتا ہے۔

مہر کی اقسام اور مقدار

مہر کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں:

① مہرِ مسمّٰی: وہ مہر جو بوقتِ عقد مقرر کیا گیا ہو یا نکاح کے بعد زوجین جس پر راضی ہو گئے ہوں یا وہ جسے قاضی نے نکاح کے بعد متعیّن کر دیا ہو۔

② مہرِ مثل: وہ مہر جو بیاہی جانے والی لڑکی کے آبائی خاندان میں اس جیسی لڑکی کا ہو۔ نیز آبائی خاندان کی لڑکیوں کے شوہر اور اس شوہر میں قابل ذکر مناسبت بھی ہو۔

الغرض آسان لفظوں میں اسے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اگر زوجین نکاح کے وقت یا بعد میں مہر مقرر کریں تو وہ مہر مسمّی ہوتا ہے اور اگر نکاح میں مہر کا تذکرہ نہ کیا جائے یعنی بغیر مہر کے نکاح کر لیا جائے تو امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک اس لڑکی کے خاندان کی لڑکیوں کا جو مہر ہو گا وہ واجب ہو جائے گا اور اس مہر کو شریعتِ اسلامی میں مہرِ مثل کہا جاتا ہے۔

ادائیگی کے لحاظ سے مہر کی دو اقسام ہیں:

① **مہر معجّل:** وہ مہر جو بوقتِ نکاح فوری ادا کر دیا جائے یا عندالطلب قابل ادا ہو۔

② **مہر غیر معجّل:** وہ مہر جسے فوری ادا کرنا ضروری نہ ہو بلکہ بعد میں یا طلاق یا زوجین میں سے کسی ایک کی وفات پر قابل ادا ہو۔ اسے مہر مؤجّل بھی کہتے ہیں۔

مہر کی کوئی مقدار اسلام نے مقرّر کی ہے یا نہیں؟ اس میں تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مہر کی زیادہ سے زیادہ کی تو کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اسی طرح بعض فقہاء کے نزدیک مہر کی کم از کم بھی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے' جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار ''دس درہم'' مقرر ہے۔ انہوں نے اسے ''قطعِ ید'' کے نصاب پر قیاس کیا ہے یعنی اگر کوئی دس درہم کی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اسی طرح مہر کی بھی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔

مہر کے بارے میں چند معاشرتی خرابیاں

اللہ تعالیٰ نے مہر کی مقدار مقرر نہ کر کے آسانی پیدا فرمائی اور اسے لڑکی اور لڑکے والوں کی رضامندی اور ان کی حیثیت پر چھوڑ دیا گیا' کہ مہر نہ اتنا زیادہ ہو کہ لڑکا ادا نہ کر سکے اور نہ اتنا کم ہو کہ لڑکی کے ایک دن کے خرچ کے برابر ہو۔ ہمارے معاشرے میں مہر کے بارے میں عجیب وغریب رسم و رواج عام ہو گئے ہیں جن سے بہت سی خرابیوں نے جنم لیا ہے:

① **مہر میں افراط وتفریط:** مہر کے معاملے میں افراط وتفریط سے کام لیا جاتا ہے۔ یا تو مہر اتنا زیادہ مقرر کر دیا جاتا ہے کہ شوہر بیچارہ ساری زندگی اس کو ادا نہیں کر پاتا یا پھر ''۳۲ روپے ۱۰ آنے'' کو شرعی مہر قرار دے کر مقرر کر دیا جاتا ہے۔ میمنوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکا لڑکی چاہے کروڑ پتی ہوں مگر مہر ''۱۰ روپے'' مقرر کرنا ہے جبکہ صوبہ بہار میں مرد چاہے فقیر ہو مگر مہر ''۴۰ ہزار روپے'' مقرر کیا جاتا ہے۔

② **مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہونا:** لڑکے کی نیت مہر ادا کرنے کی نہیں ہوتی اور وہ مجلسِ نکاح میں بھی صراحتاً کہہ دیتا ہے کہ جتنا مرضی مہر مقرر کر لو ہم نے کون سا ادا کرنا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''لوگوں کے نکاح میں یہ نہایت سَرسَری معاملہ ہے حتیٰ کہ مہر کی قلت وکثرت (کمی وزیادتی) میں گفتگو کے وقت بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ میاں کون لیتا ہے کون دیتا ہے۔ یہ لوگ صریح اقرار کرتے ہیں کہ مہر محض نام ہی کرنے کو ہوتا ہے دینے لینے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔''[49]

حالانکہ نبی کریم ﷺ نے مہر ادا نہ کرنے والے کو زانی قرار دیا۔ آپؐ نے فرمایا:

((اَیُّمَا رَجُلٍ اَصْدَقَ امْرَأَةً صَدَاقًا وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا یُرِیْدُ اَدَاءَهٗ اِلَیْهَا فَغَرَّهَا بِاللّٰهِ وَاسْتَحَلَّ فَرْجَهَا بِالْبَاطِلِ لَقِیَ اللّٰهَ یَوْمَ یَلْقَاهُ وَهُوَ زَانٍ))[50]

''اگر کوئی آدمی (شادی کے وقت) اپنی بیوی کے لیے مہر اس ارادے سے مقرر کرتا ہے کہ وہ مہر ادا نہیں کرے گا تو اس نے اللہ سے دھوکہ کیا اور حق زوجیت کو باطل طریقے سے حلال کیا۔ ایسا شخص قیامت والے دن اس حال میں آئے گا کہ زانی شمار ہوگا۔''

③ **سرپرست کا مہر معاف کر دینا:** عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ نکاح کے موقع پر ولی خود ہی مہر کو معاف کر دیتا ہے یا عورت سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ مہر معاف کر دے اور عورت بھی رسماً اسے معاف کر دیتی ہے' حالانکہ اسلام نے تو مہر عورت کو دینے کے لیے مقرر کیا ہے اور ولی کو تو معاف کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے تو وہ کیسے معاف کر سکتا ہے۔ مولانا مفتی اسد اللہ نعمانی اس بارے میں لکھتے ہیں:

''اکثر لوگ بیوی کا مہر ادا نہیں کرتے اور رسمی طور پر معاف کرا لیتے ہیں۔ بیوی یہ سمجھتی ہے کہ شوہر کے ساتھ بدمزگی پیدا ہو جائے تو اس سے زندگی دوبھر ہو جائے گی اور مہر بہرحال ملنا ہے نہیں' لہٰذا معافی کے الفاظ ہی کہہ دوں۔ لہٰذا وہ رسمی طور پر اوپر کے دل سے معاف کر دیتی ہے اس رسمی معافی کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔''[51]

④ **مہر مانگنے کو برا سمجھنا:** ایک عملی غلطی یہ بھی دیکھی گئی ہے کہ عورتیں مہر مانگنے کو عیب سمجھتی ہیں اور اگر کوئی عورت اپنے مہر کا مطالبہ کرے تو اس کو بدنام کیا جاتا ہے' حالانکہ مہر تو عورت کا حق ہے اور اپنا حق مانگنے میں اخلاقاً اور شرعاً کوئی عیب نہیں ہے۔ جب شرعاً اس میں کوئی عیب نہیں ہے تو پھر اس کو عیب سمجھنا سراسر گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔[52]

⑤ **سرپرست کا مہر وصول کر کے خرچ کر لینا:** ایک برائی یہ بھی دیکھی گئی ہے کہ لڑکی کا مہر والد یا کوئی دوسرا وصول کر لیتا ہے اور اسے اپنا سمجھ کر خرچ کرتا ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہم نے شادی پہ اتنا خرچ کیا ہے۔ حالانکہ بغور دیکھا جائے تو شادی کے بجائے عیاشی پر مال خرچ کیا ہوتا ہے اس لیے مہر پر صرف عورت کا حق ہے، کسی اور کا نہیں۔[78]

مہر کے بارے میں چند عملی تجاویز

مہر کے بارے میں چند عملی تجاویز درج ذیل ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انشاء اللہ اسلام کی روح کو زندہ کیا جا سکتا ہے:

① رشتہ جوڑتے وقت یا کم از کم شادی سے پہلے مہر طے کر لینا چاہیے تا کہ عین نکاح کے وقت کوئی اختلاف نہ ہو۔

② مہر مقرر کرتے وقت دونوں خاندانوں کی حیثیت کو ملحوظ رکھنا چاہیے تا کہ دونوں میں سے کسی کو پریشانی نہ ہو۔

③ مہر نہ تو اتنا زیادہ مقرر کرنا چاہیے کہ لڑکا ادا نہ کر سکے اور نہ اتنا کم کہ اسلام کے ایک حکم کی تضحیک ہو۔

④ مہر صرف اور صرف عورت کا حق ہے اس لیے اسے اپنی مرضی سے معاف کرنے کا حق دینا چاہیے۔ نہ کوئی لڑکی کو معاف کرنے کی درخواست کرے اور نہ کوئی سرپرست اس مہر کو اس کی اجازت کے بغیر تصرف میں لائے۔

خطبۂ نکاح

نکاح کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنا اور فریقین کو کچھ نصیحت کرنا تمام مذاہب میں موجود ہے۔ ہندو شادی میں بھی ایسی نصیحتوں کا ثبوت ملتا ہے اور آسمانی مذاہب یہودیت اور عیسائیت میں بھی ــــ اسلام میں بھی نکاح کے موقع پر خطبہ پڑھنا سنت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دی جاتی ہے اور بعد میں کلام پاک کی

چند آیات تلاوت کی جاتی ہیں تا کہ نکاح کا پاکیزہ معاملہ پاکیزہ کلام سے شروع ہو۔

یہ خطبہ ایجاب وقبول سے پہلے بھی پڑھا جا سکتا اور ایجاب وقبول کے بعد بھی۔ عموماً شادیوں میں دیکھا گیا ہے کہ خطبہ ایجاب وقبول کے بعد پڑھا جاتا ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

خطبۂ نکاح: عربی متن اور اردو ترجمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ......اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴿۱۰۲﴾﴾(آل عمران)﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا﴿۱﴾﴾(النساء)﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا﴿۷۰﴾ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا﴿۷۱﴾﴾ (الاحزاب)[79]

’’تمام صفاتِ الوہیت اللہ کے لیے ہیں، کُل تعریف اور شکر وسپاس اللہ کے لیے ہے۔ ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اور اس سے مدد چاہتے ہیں، اور اس سے بخشش ومغفرت طلب کرتے ہیں، اور اس پر ایمان لاتے ہیں، اور اس پر توکّل کرتے ہیں۔ اور ہم اللہ سے پناہ طلب کرتے ہیں اپنے نفوس کی شرارتوں سے اور اپنی بداعمالیوں سے۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازے تو اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جسے وہ گمراہ کر دے تو کوئی نہیں کہ جو اُسے راہِ ہدایت پر لا سکے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ

محمد ﷺ اُس (اللہ) کے بندے اور اُس (اللہ) کے رسول ہیں۔ امابعد! میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں شیطان مردود سے، میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر اسلام (یعنی فرمابرداری) کی حالت میں۔'' [آل عمران:۱۰۲] ''اے لوگو! اپنے اُس رب تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے پھیلا دیے (زمین میں) بہت سے مرد اور عورتیں۔ اور تقویٰ اختیار کرو اُس اللہ کا جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو (یعنی جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو) اور قریبی رشتہ داروں (کے معاملے) میں بھی اللہ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔'' [النساء:۱] ''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی بات کہو۔ (اس طرح) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ [الاحزاب:۷۰،۷۱]''

دعوتِ ولیمہ

لفظ ولیمہ، ول م سے بنا ہے جس کا معنی ہے جمع ہونا۔ چونکہ میاں بیوی کے جمع ہونے یعنی شب زفاف کے بعد یہ دعوت کی جاتی ہے اس لیے اس دعوت کا نام بھی ولیمہ مشہور ہو گیا۔ اس کے علاوہ ولیمہ ہر خوشی کی دعوت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اہلِ عرب ہر خوشی کی دعوت کے لیے ولیمہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں، البتہ لغت کے معروف ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب مطلق طور پر ولیمہ کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد شادی کی دعوت ہی ہوتی ہے جسے ''طعامُ العُروس'' بھی کہا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ کھانے کا انتظام چاہے شادی والے دن کیا جائے یا شبِ زفاف کے بعد اگلے دن، دونوں دعوتیں ولیمہ ہی شمار ہوں گی۔

ولیمہ کی شرعی حیثیت

ولیمہ واجب ہے یا سنت، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ولیمہ واجب ہے، جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ولیمہ واجب نہیں، بلکہ سنت اور مستحب ہے — یہ اختلاف اپنی جگہ، مگر احادیث اور سنتِ رسول ﷺ میں ولیمہ کرنے کے بارے میں کافی تائید و تاکید نظر آتی ہے۔ مثلاً

① حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ)) ''ولیمہ کی دعوت کرو اگرچہ ایک بکری سے ہی کیوں نہ ہو۔''[۸۶]

② نبی کریم ﷺ نے اپنی ہر شادی کے موقع پر دعوت ولیمہ کا انتظام فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا اَوْلَمَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى شَيْءٍ مِنْ نِسَائِهٖ مَا اَوْلَمَ عَلٰى زَيْنَبَ اَوْلَمَ بِشَاةٍ[۸۷]

''نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے برابر اپنی کسی بیوی کا ولیمہ نہیں کیا کیونکہ وہ ایک بکری کا ولیمہ تھا۔''

دوسری روایت بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا وَاَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ[۸۸]

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور آزادی ہی کو ان کا مہر بنا دیا اور ان کے ولیمہ میں مالیدہ کھلایا۔''

③ عہدِ نبویؐ میں ایسا کوئی نکاح دکھائی نہیں دیتا جس میں ولیمہ نہ کیا گیا ہو۔

④ ولیمہ اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ شادی کا اعلان ہو جائے کہ فلاں مرد کی فلاں عورت سے شادی ہو گئی ہے۔

ان تمام باتوں سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ ولیمہ کرنا ایک مسنون اور ضروری عمل ہے اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق ولیمہ لازمی کرے۔ یہاں یہ ذہن میں رہے کہ ولیمہ میں ضروری نہیں ہے کہ بہت خرچ کیا جائے، بلکہ ولیمہ ہونا چاہیے چاہے شربت کے ایک گلاس سے ہی کیوں نہ ہو۔

ولیمہ کا وقت

ولیمہ کی شرعی حیثیت کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے اسی طرح ولیمہ کے وقت کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ ولیمہ کا انعقاد عقد نکاح کے وقت کیا جائے یا شبِ زفاف گزارنے کے بعد۔ اس سلسلہ میں زیادہ بہتر رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ شبِ زفاف گزارنے کے بعد ولیمہ منعقد ہونا چاہیے کیونکہ ولیمہ کے لفظی معنی بھی اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا معمول بھی یہی تھا' مگر یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ میاں بیوی کی خلوت سے پہلے بھی ولیمہ کیا جا سکتا ہے۔ جیسے عرب ممالک میں شادی والے دن لڑکے اور لڑکی کے تمام احباب جمع ہو جاتے ہیں اور اسی دن دعوت کر دی جاتی ہے اور یہ دعوت مرد کی طرف سے ہوتی ہے اور یہی ولیمہ شمار ہوتی ہے۔

یہاں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ دو دن تک جو دعوت کی جاتی ہے وہ دعوت ولیمہ شمار ہوتی ہے اور دو دن کے بعد کی جانے والی دعوت ولیمہ نہیں بلکہ عام دعوت شمار ہوگی:

''دو روز تک کی دعوت کو دعوت ولیمہ کہتے ہیں اس کے بعد دعوت دینے کو دعوت ولیمہ نہیں کہتے۔''[۸۴]

دعوتِ ولیمہ میں غرباء کو شریک کرنے کا حکم

ولیمہ کا موقع ایک خوشی کا موقع ہوتا اس لیے اس موقع پر غرباء کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ولیمہ جس میں غرباء کو نہ بلایا گیا ہو' برا کھانا قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيْهَا وَيُدْعَى اِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا))[۸۵]

''کھانوں میں سے برا کھانا اس دعوت ولیمہ کا ہے جس میں کھانے کے خواہش مندوں (غریبوں) کو نہ بلایا جائے اور کھانے سے انکار کرنے والوں (امیروں) کو بلا لیا جائے۔''

ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل ہوا ہے جس میں اس موضوع کو صراحتاً بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعَى لَهَا الْاَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ[۸۶]

''کھانوں میں سے برا کھانا اس دعوت ولیمہ کا ہے جس میں امیروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔''

ان روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ غریبوں کو بھی شادی کی اس دعوت میں بلانا چاہیے' مگر ہمارے معاشرے میں ایسا نہیں کیا جاتا اور صرف امیروں کو بلایا جاتا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اس بارے میں افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ولیمہ سنت ہے لیکن اس عارض کی وجہ سے برا ہو گیا ہے۔ افسوس آج کل اکثر ولیمے اسی قسم کے ہوتے ہیں جن میں محض برادری کے معززین کو بلایا جاتا ہے اور غرباء کو نہیں پوچھا جاتا ہے' بلکہ اس جگہ سے نکال دیا جاتا ہے حالانکہ جن فقراء کو ولیمہ سے نکالا جاتا ہے ان کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((تنصرون وترزقون الا بضعفائكم)) ''تمہاری جو مدد کی جاتی ہے اور تمہیں جو رزق دیا جاتا ہے وہ فقراء وضعفاء کی وجہ سے تو دیا جاتا ہے''۔ پس نہایت بے حیائی ہے کہ جن کی وجہ سے رزق دیا گیا ہے انہیں اس رزق سے دھکے دیے جائیں۔''[۸۷]

دعوتِ ولیمہ قبول کرنے کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی ولیمہ کی دعوت دے تو اس کی دعوت کو ضرور قبول کرنا چاہیے اور اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا ہے تو اس کو توڑ دے اور اس کی دعوت کو قبول کرے۔ بلا وجہ دعوتِ ولیمہ کو ٹھکرانا سنتِ رسولؐ سے انحراف کے مترادف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَأْتِهَا))[۸۸]

''جب تمہیں ولیمہ کی طرف بلایا (یعنی دعوت دی) جائے تو ضرور جاؤ۔''

ایک روایت میں دعوتِ ولیمہ قبول نہ کرنے کو اللہ اور رسول کی نافرمانی قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ))[۸۹]

''جس نے دعوتِ ولیمہ قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔''

بعض صورتوں میں دعوتِ ولیمہ میں شرکت نہ کرنے کا حکم

ویسے تو ولیمہ میں شرکت کرنا مستحسن ہے مگر بعض صورتوں میں ولیمہ میں شرکت نہ کرنے کی اجازت ہے بلکہ حکم ہے کہ ولیمہ میں شرکت نہ کی جائے' مثلاً

پہلی صورت: اگر دعوت ولیمہ کے موقع پر ڈھول باجے' گانے' فلم بنانے اور اس جیسے دیگر منکرات ہوں تو اس دعوت میں شرکت قطعی حرام ہے۔ سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۚ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ۝

''اور یہ بات وہ تم پر نازل کر چکا ہے اپنی کتاب میں کہ جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں ورنہ تم بھی انہی کی مانند ہو جاؤ گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمام منافقوں اور کافروں کو جمع کرنے والا ہے جہنم میں سب کے سب۔''

دوسری صورت: اگر دعوت ولیمہ کے موقع پر حرام اور ناجائز اشیاء مثلاً شراب وغیرہ کا اہتمام کیا گیا ہو یا معلوم ہو کہ صاحبِ دعوت کی کمائی حرام کی ہے تو اس دعوت میں شرکت کرنا بھی ممنوع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَجْلِسْ عَلٰى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا بِالْخَمْرِ)) ۸۹

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور دورہ ہو۔''

تیسری صورت: ایسی دعوت ولیمہ میں بھی شرکت سے گریز کرنا چاہیے جہاں فخر وریا کاری کے لیے کھانے کا انتظام کیا گیا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ اَنْ يُؤْكَلَ ۹۰

''نبی کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کے کھانے (کی دعوت میں شرکت) سے منع

فرمایا جو (دعوت کا بندوبست) باہم فخر وریا کاری کے لیے کرتے ہیں۔''

چوتھی صورت: جہاں جاندار چیزوں کو جمع کیا گیا ہو' مثلاً تصاویر وغیرہ ہوں وہاں بھی شرکت سے گریز کرنا چاہیے:

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک گھر سے محض اس لیے واپس چلے گئے کہ وہاں تصاویر تھیں۔ اسی طرح یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ابوایوب رضی اللہ عنہ کی دعوت کی۔ ابوایوبؓ نے ان کے گھر میں تصویروں والا پردہ پڑا دیکھا (تو غصہ کا اظہار فرمایا)۔ ابن عمرؓ نے (معذرت کرتے ہوئے) کہا کہ اس مسئلہ میں عورتوں نے ہمیں مجبور کر دیا ہے۔ ابوایوبؓ نے کہا: (کہ کم از کم مجھے تم سے یہ امید نہ تھی اور) مجھے قسم ہے اللہ کی! میں تمہارے گھر کا کھانا نہیں کھاؤں گا اور یہ کہہ کر چل دیے۔'' ۹۱

شادی کے موقع پر تحائف دینا

دعوت ولیمہ میں شریک ہونے والے شخص کے لیے مستحب ہے کہ وہ دُلہا دلہن کو حسبِ توفیق کوئی تحفہ پیش کرے کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ امام بخاریؒ نے شادی بیاہ کے موقع پر تحفہ دینے کے جواز پر یہ عنوان قائم کیا ہے: ''باب الهدية للعروس'' یعنی دُلہا دلہن کو تحائف دینے کا بیان اور اس کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم ﷺ دُلہا بنے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہوا۔ میری والدہ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا مجھ سے کہنے لگیں کہ اس وقت اگر ہم اللہ کے رسول ﷺ کو کوئی تحفہ بھیجیں تو یہ بہت اچھا ہوگا۔ چنانچہ میری والدہ نے کھجور' گھی اور پنیر ملا کر حلوہ تیار کیا اور میرے ہاتھوں نبی کریم ﷺ کے گھر بھیجا۔'' ۹۲

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر انہیں بطور تحفہ ایک قیمتی ہار دیا تھا۔ ۹۳

شادی کے موقع پر دعا دینا

اسی طرح شادی کرنے والے کو خیر برکت کی دعائیں دینا مسنون عمل ہے۔ رسول

اللہ ﷺ شادی کرنے والے شخص کو ان الفاظ کے ساتھ خیر و برکت کی دعا دیتے تھے:

((بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ))[۹۴]

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بہتری کرے اور تم پر خیر و برکت نازل فرمائے اور تم دونوں (میاں بیوی) کے درمیان بھلائی پر اتفاق پیدا کرے۔''

اس دعا کا اختصار بھی نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ شادی کے بعد جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: ((بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ))[۹۵]۔ اگر کسی شخص کو یہ دعا یاد نہ ہو تو وہ زوجین میں پیار و محبت اور خیر و بھلائی کے لیے کسی اور زبان میں اللہ سے دعا کرے۔

شادی کی رسومات اور ان کا جائزہ

اگر خالص اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو معاشرتی لحاظ سے سب سے آسان دو کام نظر آتے ہیں ایک شادی بیاہ کا مسئلہ اور دوسرا مرگ و تدفین کا۔ اسلام ایک آسان اور قابلِ عمل دین ہے اور اس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو انسان پر گراں گزرے۔ ہم نے اس سے پہلے شادی بیاہ کو اسلام کے پہلو سے بیان کیا جس سے یہ واضح ہوا کہ اسلام میں شادی کا طریقہ کتنا بہت آسان اور عمدہ ہے۔

اگر ہم شادی بیاہ کو معاشرتی پہلو سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہم نے خود ہی ایک آسان معاملے کو جاہلانہ رسومات کی پیوندکاری کر کے اپنے اور اپنے معاشرے کے لیے اَن گنت مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ شادی خواہ لڑکی کی ہو یا لڑکے کی، منگنی سے لے کر بارات اور ولیمہ تک بلکہ ولیمہ اور رخصتی کے بعد بھی کئی جاہلانہ رسومات کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے حالانکہ اسلام میں ایسی کوئی پیچیدگیاں نہیں ہیں۔ یہ صرف اور صرف ہمارا اپنا رویّہ ہے کہ بچوں کی دھوم دھام کی شادی کو ہم نے اپنا نصب العین بنا لیا ہے۔

معاشرتی و علاقائی رسومات کی شرعی حیثیت

ہر معاشرے اور ہر علاقے کا رہن سہن دوسرے سے بالکل مختلف ہے اسی وجہ سے

ان کی عادات و روایات اور رسوم و رواج بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ رسم و رواج اچھے ہوتے ہیں اور کچھ برے۔ ان رسم و رواج کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر دو جملوں میں بیان کیا جا سکتا ہے: ''خذ ما صفا ودع ما كدر'' جو چیزیں اچھی ہیں انہیں اختیار کر اور جو بری ہیں ان سے اجتناب کر۔ یعنی اگر کسی علاقے کی کوئی رسم اچھی ہو تو اسے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر رسم بری ہو یا اسلام کے پہلو کے خلاف ہو تو اس سے اجتناب برتنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ جب اس دنیا میں تشریف لائے تو عرب میں کئی رسم و رواج تھے۔ نبوب ملنے کے بعد آپؐ نے ان رسومات میں سے اچھی رسومات کو باقی رکھا جو انسانی فطرت کے مطابق تھیں اور باقی بری رسومات سے منع کر دیا۔ مثلاً عرب کے دورِ جاہلیت میں باپ کی وفات کے بعد سوتیلی ماں بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی اور نکاح کے مختلف برے طریقے رائج تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان روایات سے اجتناب کا حکم دیا۔

اگر کسی دوسری قوم کی رسم کو اپنایا جائے تو اس بارے میں اسلامی قاعدہ یہ ہے کہ اگر رسم کرنے کی نیت نہ ہو اور غیر مسلموں کے طریقے پر بھی نہ ہو نہ حقیقتاً نہ مجازاً، تو ایسی رسم کو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو اسلام کی فطرت کے خلاف ہو۔[۹۶]

رسم و رواج اور عرف و عادت کی شرعی حیثیت کے بارے میں اصول بیان کرنے کے بعد اب ہم ان رسومات کو بیان کرتے ہیں جن کی وجہ سے شادی بیاہ کا مسئلہ انتہائی پیچیدہ اور مشکل امر بن چکا ہے اور عام لوگوں کی پہنچ سے دور ہوتا جا رہا ہے۔

مائیوں بٹھانے کی رسم

شادی سے چند دن پہلے گھر کی عورتیں دلہن کو ایک کونے میں محبوس کر دیتی ہیں، نہ وہ کوئی کام کر سکتی ہے اور نہ وہ کسی سے بات کر سکتی ہے اس رسم کو مائیوں بٹھانا کہا جاتا ہے۔

یہ دورِ جدید کا طریقہ ہے جب کہ دورِ قدیم میں لڑکی کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا جاتا تھا جہاں اسے ہوا تک نہیں پہنچتی تھی اور اس کا سارے گھر سے بولنا بند ہو جاتا تھا۔ اپنی ضروریات

میں دوسروں کی محتاج ہو جاتی تھی اور اپنے آپ قضائے حاجت کو نہیں جا سکتی تھی۔[۹۷]

جہاں تک لڑکی کو شادی سے پہلے کام کاج چھڑا کر آرام کرنے کا موقع دینے کی بات ہے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اس میں تو کئی خوبیاں ہیں۔ مثلاً لڑکی کام کاج چھوڑ کر اپنے جسم کی خوبصورت اور صفائی پر توجہ دے گی تا کہ خاوند کی نگاہِ اولین میں اس کا اچھا تاثر قائم ہو۔ لیکن اس دوران گھریلو کام کو کسی تو ہمانہ نقطہ نظر سے نا لکل ناجائز سمجھنا یا گھر کے دوسرے افراد سے بات چیت سے براشگن لینا یہ سراسر اسلامی طرز کے خلاف ہے۔[۹۸]

تیل مہندی کی رسم

شادی سے ایک یا دو دن پہلے لڑکے والوں کی طرف سے چند عورتیں دلہن کے لیے مہندی لے کر جاتی ہیں۔ اسی طرح لڑکی والوں کی طرف سے دلہا کے لیے مہندی بھیجی جاتی ہے۔ جبکہ آج کے دور میں تو دونوں گھرانے جلوسوں کی شکل میں بینڈ باجے کے ساتھ ایک جگہ جمع ہو کر' دُلہا و دلہن کو اکٹھا بٹھا کر یہ رسم ادا کرتے ہیں اور پورے جشن کا سماں ہوتا ہے۔

اسلامی حوالے سے دیکھا جائے تو عورت کو مہندی لگانا جائز بلکہ مستحب ہے مگر اس طرح سینکڑوں مردوں و عورتوں کا مخلوط اجتماع' نوجوان لڑکیوں کا ناچ گانا' کھانے پینے کا انتظام یہ سب ہندوانہ رسم کے مشابہ ہے اور اسلام کی تعلیمات کے بالکل منافی ہے۔

دوسری بات مرد کے لیے تو مہندی کو بطور زینت استعمال کرنا درست نہیں ہے اور اس طرح مہندی کی رسم ادا کرتے وقت لڑکے کو مہندی لگانا عورت کی مشابہت ہے اور نبی کریم ﷺ نے دوسروں کی مشابہت اختیار کرنے والوں کو ناپسند فرمایا۔

سہرا بندی کی رسم

شادی کے دن دلہا کو زرق برق لباس پہنا کر سہرا باندھنے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے یہ رسم ایران کے آتش پرستوں نے ایجاد کی۔ آتش پرست اسے ''پنجہ آفتاب'' کہتے تھے کیونکہ جب دلہا اپنے سر پر سہرا باندھتا تو اس کا چہرہ سورج کی

روشنی کے مشابہ ہو جاتا۔ آج کل تو سہرے کی جگہ ایسی ٹوپیاں آ گئی ہیں جو سستی ہونے کے ساتھ ساتھ بیک وقت ٹوپی' پگڑی اور سہرے کا کام دیتی ہے۔ اس رسم کے بارے میں مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

''ایک صاحب نے سوال کیا کہ سہرا باندھنا کیسا ہے؟ جواب ارشاد فرمایا: جائز نہیں۔ ہندوؤں کی مشابہت ہے اور یہ انہی کا طریقہ ہے۔''[۹۹]

نوٹ: اگر سہرا صرف خوبصورتی کے لیے باندھا جائے اور اسے رسم کے طور پر نہ اپنایا جائے تو ایسا کرنے کا جواز موجود ہے۔

سلامی دینا

شادی کے موقع پر ایک طرف دلہا کو اور دوسری طرف دلہن کو ان کے گھروں میں تیار کر کے بٹھا دیا جاتا ہے۔ پھر تمام دوست احباب مہمان کی حیثیت سے آتے ہیں اور کچھ نہ کچھ رقم دُلہا یا دلہن کو دیتے ہیں اسے عرفِ عام میں ''سلامی'' کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رسم دراصل شادی کرنے والوں کے ساتھ تعاون کی ایک شکل ہے۔ اسلام اگرچہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کو بہت پسند کرتا ہے' مگر تعاون کی اس شکل ''سلامی'' میں کئی قباحتیں ہیں:

① کسی دور میں یہ تعاون کا ذریعہ تھی مگر اب یہ ایک رسم ہے کیونکہ امیر اور مالدار لوگ بھی سلامی لیتے ہیں حالانکہ ان کو اس کی کیا ضرورت ہے۔

② تعاون میں جو جتنا دے سکے وہ جائز ہے مگر سلامی میں ایسا نہیں ہے۔ اگر اِس شخص نے سلامی دینے والے کی بیٹی کی شادی میں ایک ہزار روپے دیے ہیں تو اب وہ اس سے کم دے گا تو یہ مستقل لڑائی کا ذریعہ بن جائے گا۔

③ اگر تعاون ہے تو پھر اتنی ریاکاری کس لیے برتی جاتی ہے کہ ایک شخص اس کو لکھتا ہے۔

الغرض سلامی کا مروجہ طریقہ ہر لحاظ سے قابلِ اعتراض ہے۔ اگر کسی کے ساتھ تعاون کرنا ہے تو سلامی کے انداز میں نہیں بلکہ صدقہ یا انفاق فی سبیل اللہ کے انداز سے ہونا چاہیے۔[۱۰۰]

بارات کا لشکر

اسلامی طریقہ نکاح یہ ہے کہ نکاح کو خفیہ نہیں بلکہ علی الاعلان کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے بارات یعنی چند لوگوں کو نکاح میں شامل کرنا تا کہ ان کے سامنے نکاح کا عمل کیا جا سکے' اس میں کوئی برائی نہیں ہے بلکہ اس طرح کرنا تو عین اسلام کے مطابق ہے۔ اب رہا سوال آج کل کی باراتوں کا' تو یہ ہندوانہ رسمیں ہیں کہ سینکڑوں لوگوں کا بارات کے ساتھ جانا' پھر ناچ گانا اور بینڈ باجوں کا انتظام کرنا۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے ہندوؤں کی رسم قرار دیا ہے:

''اصل میں یہ بارات وغیرہ ہندوؤں کی ایجاد ہے کہ پہلے زمانے میں امن نہ تھا اکثر راہزنوں سے واسطہ پڑ جاتا تھا اس لیے ہر گھر سے ایک آدمی کو لیا جاتا تا کہ مشکل صورتحال پر قابو پایا جا سکے۔ مگر آج کے زمانے میں تو امن ہے اس لیے اب اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''[101]

اکثر باراتوں میں ایک برائی کثرت سے دیکھی گئی ہے کہ بلایا پچاس آدمیوں کو جاتا ہے اور چلے سو آدمی جاتے ہیں' حالانکہ ایسا کرنا اسلامی شریعت میں ممنوع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ دُعِيَ فَلَمْ يُجِبْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَمَنْ دَخَلَ عَلٰى غَيْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَخَرَجَ مُغِيْرًا))[102]

''جس کو دعوت دی جائے اور وہ دعوت قبول نہ کرے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور جو شخص بن بلائے دعوت میں حاضر ہوا تو وہ چور بن کر داخل ہوا اور لوٹ مار کر نکل گیا۔''

بینڈ باجے کا اہتمام کرنا

بارات کے ساتھ گانے بجانے اور گانے گانے کا اہتمام کرنا اسلام کی روح کے منافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے ان بینڈ باجوں کو ''لھو الحدیث'' یعنی لغو کام قرار دیا ہے اور اس بارے میں قرآن کہتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (لقمان)

''اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو ''لھو الحدیث'' یعنی لغویات خریدتے ہیں تا کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کریں اور اسے ہنسی مذاق بنائیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بینڈ باجوں کے متعلق فرمایا:

((لَيَكُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ))[103]

''میری امت میں ایسے بد بخت پیدا ہوں گے جو شرم گاہ (زنا)' ریشم' شراب اور سازوں کو حلال کر لیں گے۔''

اس مختصر بحث سے یہ معلوم ہوا کہ شادی کے موقع پر بینڈ باجوں کا اہتمام کرنا شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہے مگر چھوٹی نابالغ بچیوں کا دف بجانا یا ایسے شعر پڑھنا جو کفر وشرک یا فسق وفجور پر مبنی نہ ہوں اور نہ ہی وہ شہوانی خیالات میں ہیجان پیدا کرنے والے ہو' تو یہ جائز ہے۔ ان کے جواز پر چند احادیث پیش کی جا رہی ہیں۔ حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَرَامِ وَالْحَلَالِ اَلدَّفُّ وَالصَّوْتُ))[104]

''حلال اور حرام (نکاح) میں فرق کرنے والی چیز دف بجانا اور (نکاح کا) اعلان کرنا ہے۔''

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ ایک انصاری لڑکی کو تیار کر کے لے گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا عَائِشَةُ مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَإِنَّ الْاَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ))[105]

''اے عائشہ! تمہارے پاس لہو (کھیل کی چیز یا دف) نہیں' انصار تو اس کو پسند کرتے ہیں۔''

واضح رہے کہ دف پر قیاس کر کے ڈھول باجوں کے جواز کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ ماقبل ہم بیان کر چکے ہیں کہ بینڈ باجے قطعاً حرام اور ممنوع ہیں۔

شادی پر نوٹ نچھاور کرنا

شادی کے موقع پر دلہا پر نوٹ نچھاور کیے جاتے ہیں یا پیسے ''وار'' کر فقیروں کو دیے جاتے ہیں اور اسے دلہا کے لیے نیک شگن خیال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں اس قسم کے ٹوٹکوں اور شگونوں کی کوئی اجازت نہیں ہے اور دوسری بات اس میں ریاکاری اور روپے کی بے حرمتی کا الگ گناہ ملتا ہے۔

بوقتِ نکاح دلہا دلہن کو کلمے پڑھانا

اس رسم کی ادائیگی میں عوام کا اتنا قصور نہیں ہیں جتنا ان نام نہاد ''علماء'' کا ہے جنہوں نے اسے دینی فریضہ تصور کر کے عوام پر مسلّط کر رکھا ہے حالانکہ قرآن وسنت میں اس کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ دوسری بات کلمہ تو غیر مسلم کو پڑھایا جاتا ہے اور اگر دلہا یا دلہن غیر مسلم ہے تو ایک کلمہ پڑھا دینا کافی ہے' مگر بعض علاقوں میں تو پورے چھ کلمے پڑھائے جاتے ہیں۔

اس رسم کے بارے میں اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے نام نہاد علماء نے اس کو رائج کیا ہے حالانکہ اسلام میں ایسی کسی رسم کا ذکر نہیں ہے۔[۱۰۳]

تین مرتبہ ایجاب وقبول

اس رسم کو اسلامی معاشرے میں رائج کرنے کا سہرا بھی اُن علماء کے سر ہے جو اسلام کی روح سے بھی واقف نہیں ہیں۔ امداد الفتاویٰ میں اس بارے میں لکھا ہے کہ یہ نہ تو واجب ہے نہ سنت اور نہ ہی مستحب۔ ہاں اگر کسی کے بارے میں شک ہو یا تاکیداً ایسا کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' مگر اسے رسماً کرنا مناسب نہیں ہے۔[۱۰۴]

نکاح کے بعد چھوارے یعنی ''بد'' تقسیم کرنا

نکاح کے فوراً بعد لوگوں کا منہ میٹھا کرانے کے لیے لڑکے والوں کی طرف سے ''بد'' کا انتظام کیا جاتا تھا۔ آج سے کچھ سال پہلے تو چھوارے تقسیم کیے جاتے تھے اور آج کے جدید دور میں اس ''بد'' میں بھی جدّت آ گئی ہے کہ اب ایک پیکٹ دیا جاتا ہے

جس میں خشک میوہ جات' بادام' چھوارے اور دیگر میٹھی چیزیں شامل ہوتی ہیں۔

چھواروں کو مخصوص کرنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بنتِ رسول حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کا ایک طبق منگوا کر تقسیم کیا تھا۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے چھواروں کو مخصوص کر دیا گیا۔

نکاح کے بعد لوگوں کا منہ میٹھا کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ غیر شرعی عمل بھی نہیں ہے بلکہ ایک اچھا عمل ہے مگر اس معاملہ میں اسراف وتبذیر سے بچنا چاہیے۔

بَری دکھانا

لڑکے والے لڑکی کے لیے بنائی گئی چیزیں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور تمام برادری کے سامنے اسے دکھایا جاتا ہے۔ بَری بھی دراصل تحفہ کی بگڑی ہوئی ایک شکل ہے اور یہ سراسر ریاکاری ہے اور اسلام ایسی رسومات کو جائز قرار نہیں دیتا۔

نیوندرا

ولیمہ کے موقع پر جو لوگ دعوت وطعام میں شریک ہوتے ہیں ان سے پیسے وصول کیے جاتے ہیں جسے نیوتہ (نیوندرا) کہا جاتا ہے۔ یہ رسم اتنی ضروری سمجھ لی گئی ہے کہ نیوتہ وصول کرنے والا باقاعدہ رجسٹر لے کر بیٹھتا ہے اور پیسوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ حالانکہ یہ کتنی کمینگی کی بات ہے کہ آپ ایک شخص کو دعوت پر بلا کر کھانا کھلائیں اور کھانے کے بعد اس کی قیمت کا مطالبہ کریں۔ لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ نیوتہ مانگنے والے کے بجائے' نہ دینے والے کو کمینہ سمجھا جاتا ہے اور اس پر اکثر جھگڑا بھی پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ نیوندرا نہ دینے والے کو برادری کے رجسٹر سے بھی کاٹ دیا جاتا ہے۔ اس میں بھی وہ سب قباحتیں ہیں جو ''سلامی'' کی رسم میں بیان کر دی گئیں۔[۱۰۵]

جوتا چھپائی اور دُلہا کے ساتھ غیر اخلاقی حرکتیں

شادی کے موقع پر دلہا کے ساتھ بعض غیر اخلاقی رسمیں بھی شادی کا حصہ بن چکی ہیں' مثلاً دلہا کو ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بٹھا کر گرایا جاتا ہے۔ اس کا جوتا چرانے کی کوشش کی

جاتی ہے اور جوتا واپس کرنے کے لیے رقم طلب کی جاتی ہے۔ یہ سب حرکتیں دُلہا کی سالیاں اور غیر محرم لڑکیاں کرتی ہیں۔ یہ سب حرکتیں اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

دودھ پلانے کی رسم

نکاح ہوجانے کے بعد دُلہا کی سالیاں اور ان کے ساتھ خوبصورت کنواری لڑکیاں دُلہا کے لیے دودھ لاتی ہیں۔ اس موقع پر دُلہا کے تمام دوست اس کے پاس موجود ہوتے ہیں اور خوب ہنسی مذاق کیا جاتا ہے۔ لڑکیوں کے والدین بھی اس غیر اخلاقی رسم پر ہنستے مسکراتے نظر آتے ہیں اور دُلہا رسماً دودھ کے گلاس کو منہ لگاتا ہے اور اسے اس کی قیمت ادا کرنے پڑتی ہے جو ہزاروں میں ہوتی ہے۔ اس تمام رسم کو ''دودھ پلائی کی رسم'' کہتے ہیں۔ اس رسم کو اسلام تو کیا ایک باغیرت شخص بھی جائز قرار نہیں دے سکتا۔ اس میں تو قباحتیں ہی قباحتیں ہیں:

① اس میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا ہنسی مذاق کرنا عام بات ہے۔

② گھر آئے مہمان کو کچھ کھلا کر اس سے پیسے لینا یہ کہاں کی مہمان نوازی ہے۔

③ اس رسم کے لیے نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کا ہی کیوں انتخاب کیا جاتا ہے؟

الغرض یہ رسم ایک ہندوانہ رسم ہے اور اس کی قباحتوں کے پیش نظر عام لوگوں کو خود ہی اسے ترک کر دینا چاہیے کیونکہ یہ رسم مذہباً تو اپنی جگہ اخلاقاً بھی جائز نہیں ہے۔

اسلام میں سربالہ/شہ بالا کا تصور نہیں ہے

ہندوؤں کی شادی میں چونکہ دُلہا کیساتھ مختلف قسم کی غیر اخلاقی شرارتیں کی جاتی تھیں (افسوس سے کہنا پڑتا ہے وہ سب ہمارے معاشرے میں بھی رائج ہوچکی ہیں) اس لیے ایک سمجھ دار بچے کو خصوصی طور پر دلہا کے ساتھ رکھا جاتا تھا تاکہ وہ دُلہا کو ان خطرات سے آگاہ کرے، مثلاً چارپائی کو دیکھ کر بتائے کہ ٹوٹی ہوئی ہے، جوتا چھپائی کے موقع پر اور دودھ پلائی کے وقت بھی سربالہ کام آتا تھا۔

اسلام میں چونکہ اس طرح کی غیر اخلاقی حرکتوں کی اجازت نہیں ہے اس لیے

سربالے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبویؐ میں شادی بیاہ کے واقعات میں سربالہ کا کوئی ذکر نہیں آتا۔

قرآن مجید کے سائے میں دلہن کو رخصت کرنا

دلہن کو قرآن پاک کے سایہ میں رخصت کیا جاتا ہے اور اس سے یہ شگون لیا جاتا ہے کہ یہ شادی بابرکت انجام پائے گی، حالانکہ خیر و برکت قرآن پاک کے احکامات پر علم کرنے میں ہے نہ کہ سایہ کرنے میں۔

گود بٹھائی کی رسم

ولیمہ والے دن لڑکی کی گود میں بچہ بٹھایا جاتا ہے تاکہ اسکی گود بھی جلد ہری ہوجائے اور دلہن بانجھ نہ نکلے۔ اگر دلہا کے قریبی رشتہ داروں میں کوئی بچہ نہ ہو تو جوان دیور یا جیٹھ گود میں بیٹھ کر اس رسم کو ادا کرتا ہے اور پھر پیسے لیے بغیر نہیں اُٹھتا۔ اب یہاں غیر محرم کو گود میں بٹھایا جاتا ہے حالانکہ اسلام تو غیر محرم کو دیکھنے سے بھی منع کرتا ہے اور گود ہری کرنے کے لیے ایسے شگن کرنے کی اسلام میں کوئی اجازت نہیں ہے۔

مُکلاوا کی رسم

بعض لوگ شادی کے دوسرے روز اور بعض لوگ چوتھے روز دلہن کو واپس گھر لے آتے ہیں اور کچھ دن رکھنے کے بعد اسے خاوند کے ساتھ واپس بھیج دیتے ہیں۔ اس رسم میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ شادی کے بعد عورت کو جلد اس کے گھر والوں سے ملانا چاہیے اس لیے کہ لڑکی اداس ہو کر ان سے ملنا چاہتی ہے اور والدین بھی منتظر ہوتے ہیں کہ اس سے سسرال کے بارے میں پوچھ سکیں۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ اس رسم کو محض رسماً نبھانا یا مکلاوا کے موقع پر دلہا و دلہن کو سوٹ دینا اس رسم کو بھی مشکوک بنا دیتا ہے۔

خلاصہ

یہ چند مشہور رسومات تھیں جو ہمارے معاشروں میں رائج ہوگئی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی رسومات کی ایک لمبی لسٹ ہے جن کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ ان کے بارے میں

اصولی بات یہی ہے کہ اگر کسی رسم کو ریا کاری یا فخر و تکبّر کے لیے کیا جائے تو وہ ناجائز ہے اور ایسی رسومات جو کسی دوسری قوموں کے مشابہ بنا دے وہ بھی ناجائز ہیں۔ ان کے علاوہ وہ رسومات جو ان باتوں کے زمرے میں نہیں آتی ہیں اور اسلام کے کسی حکم یا شعائر کے خلاف بھی نہیں ہیں تو ان رسموں کو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

الغرض شادی بیاہ کا وہ معاملہ جس کو اسلام نے سادگی سے کرنے کا حکم دیا ہے، ہمارے معاشرے نے اس سادگی میں ایسی ایسی خرافات پیدا کر دی ہیں اور ایسے ایسے رسم و رواج اپنا لیے ہیں کہ جن کا اسلام سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں اور زیادہ تر غیر مسلموں کی اپنائی ہوئی غیر اخلاقی رسومات ہیں۔ ان رسومات کی بنا پر آج ایک عام شخص اپنے لڑکے اور خاص کر لڑکی کی شادی کرنے کے لیے سود پر قرض لیتا دکھائی دیتا ہے۔[۱۰۹]

محرمات

دنیا کے تقریباً تمام معاشروں میں یہ رواج ہے کہ شادیاں نہایت قریب کے خونی رشتوں کے مابین نہیں کی جاتیں، مثلاً ماں بیٹوں کے مابین، باپ بیٹیوں کے مابین اور بہن بھائیوں کے مابین شادیوں کو ہر جگہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ تاریخ کے قدیم اوراق میں البتہ اس قسم کی شادیوں کے بھی تذکرے ملتے ہیں۔[۱۱۰]

ہندومت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں محرمات سے نکاح کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی لوگ ماں، بہنوں اور بھانجیوں وغیرہ سے نکاح کر لیتے تھے مگر جدید ہندومت میں ان محرمات سے نکاح کرنے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ اسی طرح یہودیت اور عیسائیت میں بھی قریبی رشتہ دار یعنی محرمات سے نکاح کرنا حرام ہے۔

نسبی محرمات

اسلام میں محرمات کا جامع اور شفاف تصور ملتا ہے۔ کچھ رشتے خون یعنی نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں اور کچھ رشتے رضاعت کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ ۙ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ (النساء)

''حرام کر دی گئیں تم پر تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں، اور تمہاری بہنیں، اور تمہاری پھوپھیاں، اور تمہاری خالائیں، اور تمہاری بھتیجیاں (یعنی بھائی کی لڑکیاں)، اور تمہاری بھانجیاں (یعنی بہن کی لڑکیاں)، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں (یعنی ساس)، اور تمہاری ربیبائیں (بیوی کی وہ لڑکیاں جو سابق شوہر سے ہوں) جو تمہاری پرورش میں ہوں تمہاری ان بیویوں سے جن کے ساتھ تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے ان کے ساتھ صحبت نہیں کی (اور طلاق دے دی) تو تم پر کچھ گناہ نہیں (ان ربیباؤں کے ساتھ نکاح کرنے میں)، اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صُلب سے ہوں (یعنی بہو)، اور (یہ بھی تم پر حرام کر دیا گیا ہے) کہ تم بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو۔ سوائے اُس کے جو گزر چکا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے۔''

نسبی محرمات کی فہرست

قرآن پاک کی اس آیت میں براہِ راست حرام ہونے والے ۷ رشتوں کا تذکرہ ہے، لیکن ۱۶ بالواسطہ رشتے ہیں جو نسبی محرمات میں شامل ہیں۔ ہم یہاں براہِ راست اور بالواسطہ حرام ہونے والے رشتوں کی فہرست بیان کرتے ہیں:

براہِ راست	بالواسطہ حرام ہونے والے رشتے
ماں	نانی، دادی
بیٹی	نواسی، پوتی

بہنیں	سوتیلی بہن ماں کی طرف سے، سوتیلی بہن باپ کی طرف سے
پھوپھی	سوتیلی پھوپھی باپ کی طرف سے، سوتیلی پھوپھی ماں کی طرف سے، باپ کی پھوپھی
خالہ	سوتیلی خالہ باپ کی طرف سے، سوتیلی خالہ ماں کی طرف سے، ماں کی خالہ
بھتیجی	بھائی کی نواسی، بھائی کی پوتی
بھانجی	بہن کی نواسی، بہن کی پوتی

رضاعی محرمات

ہم نے محرمات کی جو فہرست ماقبل بیان کی ہے وہ نسب اور خون کی بنیاد پر ہے۔ اسلام میں اس کے علاوہ رضاعت سے بھی کچھ رشتے حرام ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ایک قاعدہ بیان کر دیا:

((يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ))[111]

''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایسی ہی ایک روایت مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

((يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ))[112]

''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہوتے ہیں جو ولادت (یعنی نسب) سے حرام ہوتے ہیں۔''

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن اس بارے میں لکھتے ہیں:

''دودھ پینے والے پر دودھ پلانے والی عورت کے خاندان کے وہ تمام رشتہ دار حرام ہو جاتے ہیں جو دودھ پلانے والی عورت کی اپنی اولاد کے لیے حرام ہیں۔ چنانچہ ایسے جملہ بچے جنہوں نے ایک انا کا دودھ پیا ہو باہمی رضاعی بھائی بہن ہو جاتے ہیں اور ان میں باہم نکاح حرام ہو جاتا ہے۔''[113]

سسرالی محرمات

سسرالی یا دامادی کی بنا پر بھی چند رشتے حرام ہوتے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① بیوی کی ماں۔ یعنی ساس اور بیوی کی دادی اور نانی وغیرہ۔

② مدخولہ بیوی کی بیٹی۔ لیکن اگر صحبت (ہم بستری) سے پہلے طلاق دے دی تو پھر اس عورت کی بیٹی سے نکاح حرام نہیں ہے۔

③ باپ کی بیوی۔ یعنی سوتیلی ماں، سوتیلی نانی یا سوتیلی دادی۔

④ بیٹے کی بیوی۔ یعنی بہو، پوتے کی بیوی اور نواسے کی بیوی۔

سببی محرمات

ماقبل بیان کردہ محرمات کے بارے میں یہ نوٹ کر لیں کہ یہ محرماتِ ابدیہ ہیں کہ جن کے ساتھ کسی حال میں، کسی بھی وقت شادی نہیں ہو سکتی، البتہ کچھ محرمات عارضی ہوتے ہیں یعنی ان کی حرمت کسی سبب کی بنا پر ہے اور جب وہ سبب ختم ہو جائے گا تو حرمت بھی ختم ہو جائے گی۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

① مرد کا اپنی سالی سے نکاح کرنا حرام ہے مگر اس وقت تک جب تک اس کی بہن اس مرد کے نکاح میں ہے۔ اگر یہ شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا وہ مر جائے تو اب یہ حرمت ختم ہو جائے گی۔ اب اگر یہ مرد چاہے تو اپنی سالی سے نکاح کر سکتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس اصول کو ان الفاظ میں بیان کیا:

﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ﴾ (النساء:۲۳)

''اور (یہ بھی تم پر حرام کر دیا گیا ہے) کہ تم بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو سوائے اس کے جو گزر چکا ہے۔''

② مرد کا بیوی کی خالہ، پھوپھی، بھتیجی اور بھانجی سے نکاح کرنا بھی اس وقت تک حرام ہے جب تک وہ اس کے عقدِ نکاح میں ہے۔ جب یہ عقدِ نکاح طلاق یا وفات کے ساتھ ختم ہو جائے تو یہ حرمت بھی ختم ہو جائے گی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ تُنْكَحَ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا اَوْ خَالَتِهَا))[114]

''رسول اللہ ﷺ نے بھتیجی اور چچی یا بھانجی اور خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا۔''

③ کسی کی بیوی سے نکاح کرنا اس وقت تک حرام ہے جب تک وہ کسی کے عقد نکاح میں ہے اور اگر یہ عقدِ نکاح کسی وجہ سے ختم ہوگیا تو اب اس سے نکاح جائز ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (النساء:٢٤)

''اور وہ عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں) جو کسی اور کے نکاح میں ہوں۔''

④ کسی عورت سے اس کی عدت کے دوران نکاح کرنا بھی حرام ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ (البقرة:٢٣٥)

''اور مت باندھو کرہ نکاح کی جب تک کہ قانونِ شریعت (عدّت) اپنی مدت کو نہ پہنچ جائے۔''

کتاب اللہ میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن (البقرۃ:۲۳۴) اور مطلقہ کی تین ماہ (البقرۃ:۲۲۸) مقرر کی گئی ہے۔اس مدت کا پورا ہونا ضروری ہے اور اس سے پہلے اس عورت سے نکاح کرنا حرام ہے۔

⑤ جس عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دے دے تو اب اس عورت کا خاوند اِس کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا' البتہ حلالہ کے بعد اس کی اجازت ہے۔یعنی وہ عورت کسی دوسرے شخص سے شادی کرے' پھر دوسرے شوہر سے بھی اس کی نہ بنے اور وہ بھی اس کو طلاق دے دے' اب پہلا خاوند اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (البقرة)

''پھر اگر وہ (تیسری مرتبہ) اسے طلاق دے دے تو وہ عورت اس کے بعد اس کے لیے جائز نہیں ہے' جب تک کہ وہ عورت کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے۔پس اگر وہ اس کو طلاق دے دے تو اب کوئی گناہ نہیں ہوگا ان دونوں پر

کہ وہ مراجعت (یعنی دوبارہ نکاح) کرلیں اگر ان کو یہ یقین ہو کہ وہ اللہ کی حدود کی پاسداری کرسکیں گے۔اور یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں جن کو وہ واضح کر رہا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم حاصل کرنا چاہیں۔''

⑥ ایک مؤمن مرد کا زانی عورت سے اور ایک مؤمنہ عورت کا زانی مرد سے نکاح کرنا پسندیدہ نہیں ہے' لیکن اگر وہ یقینی طور پر توبہ تائب ہو جائے تو پھر ان سے نکاح میں کوئی قباحت نہیں ہے۔سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۪ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور)

''زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت سے اور زانیہ عورت نکاح نہیں کرتی مگر زانی یا مشرک مرد سے۔اور اہلِ ایمان پر یہ (یعنی زنا اور شرک کے مرتکب سے نکاح) حرام کر دیا گیا ہے۔''

مشرک سے نکاح حرام ہے

ایک مسلمان مرد کسی مشرک عورت اور ایک مسلمان عورت کسی مشرک مرد سے نکاح نہیں کرسکتی۔اس کا حکم قرآن وسنت دونوں میں موجود ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ (البقرة:٢٢١)

''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔اور ایک مؤمنہ لونڈی بہتر ہے ایک آزاد مشرکہ عورت سے اگرچہ وہ تمہیں اچھی بھی لگتی ہو۔اور اپنی عورتیں مشرکوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔اور ایک مؤمن غلام بہتر ہے ایک آزاد مشرک مرد سے اگرچہ وہ تمہیں پسند بھی ہو۔''

تمام فقہی کتب میں مجوسی اور بُت پرست عورتوں کے ساتھ نکاح کو ناجائز لکھا ہے۔ہدایہ میں بھی مجوسی عورت سے نکاح کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔اسی طرح فتاویٰ

قاضی خان میں اور کنز الدقائق میں بھی مشرکہ اور بُت پرست عورت سے نکاح کو حرام کہا گیا ہے۔[۱۱۵]

تعدّدِ ازدواج

اسلام کے ازدواجی قوانین میں ایک اہم قانون تعدد ازدواج کا ہے جو بہت اہمیت کا حامل ہے اور اسلام کے اس حکم کے بھی بہت سے فوائد ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا۝ (النساء)

''اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو (انہیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ بلکہ) جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو دو دو، تین تین، چار چار تک۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو یا وہ عورتیں جو تمہاری ملکِ یمین ہوں۔ یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم ایک ہی طرف کو نہ جھک پڑو۔''

اگر ہم باقی مذاہب کا مطالعہ کریں تو ان میں بھی ہمیں تعدد ازدواج کا تصور ملتا ہے مگر وہ تصور اسلام کی طرح شفاف نہیں ہے اور زیادہ بیویوں کی صورت میں عدل کا تصور اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب یا معاشرہ میں موجود نہیں ہے۔

ہندومت میں تعدد ازدواج کو برا سمجھا جاتا تھا اور ابتدائی دور میں اس پر پابندی تھی مگر اب تعدد ازدواج کی اجازت ہے، لیکن ایک ہندو مرد کتنی بیویاں رکھ سکتا ہے اس کے بارے میں ان کا قانون یہ ہے کہ برہمن کے لیے چار بیویاں، کھشتری کے لیے تین، ویش کے لیے دو اور شودر کے لیے صرف ایک بیوی رکھنے کی اجازت ہے یعنی ذات کے اعتبار سے تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔

اسی طرح یہودیت میں بھی تعدد ازدواج جائز ہے مگر اس کی کوئی حد یہودیت میں بیان نہیں کی گئی یعنی ایک مرد لاتعداد عورتوں سے بیاہ کر سکتا ہے جبکہ عیسائیت میں تعددِ

ازدواج کو بہت برا تصور کیا جاتا ہے اور عیسائی اسلام کے اس حکم پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ تعدد ازدواج کا حکم عورتوں پر ظلم کرنے کے مترادف ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔ بعد میں ان کے اپنے فلاسفروں نے اس حکم کے فوائد دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ تعدد ازدواج معاشرہ کے لیے ناگزیر ہے اس لیے اب عیسائیت میں بھی ایک مرد کو کئی بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔

تعددِ ازدواج کے فوائد

اسلام نے تعدد ازدواج کا حکم جاری کر کے لوگوں کو فحاشی اور بدکاری جیسے گناہوں سے دور کیا اور اس کے علاوہ بھی اس کے کئی فوائد ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

① ایک سے زیادہ نکاح کرنے سے مختلف خاندانوں سے تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور روابط میں اضافہ ہوتا ہے۔

② زیادہ نکاح کرنا فطری تقاضا ہے اس لیے کہ عموماً لڑائیوں اور جنگوں میں مرد ہی کام آتے ہیں اور پھر مرد کم اور عورتیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اس کا حل صرف یہی ہے کہ مردوں کو زیادہ نکاح کرنے کی اجازت دی جائے۔

③ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اولاد پیدا نہیں ہوتی تو اب اس عورت کو طلاق دے کر اس کے والدین اور بھائیوں پر بوجھ بنانے سے بہتر ہے کہ مرد اس عورت کے ساتھ کسی اور عورت سے نکاح کر لے۔

④ عورت کو ہر ماہ حیض (monthly maneses) کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس دنوں تک آتا ہے اور اس کے علاوہ ولادت کے وقت چالیس دن نفاس آتا ہے اور ان دنوں میں عورتوں سے فائدہ اٹھانا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اب وہ مرد جسے بدکاری میں پڑ جانے کا خطرہ ہو تو وہ برائی سے بچنے کے لیے دوسرا بیاہ کر سکتا ہے۔

ان کے علاوہ بھی تعدد ازدواج کے بہت سے فوائد ہیں جن کی بنا پر غیر مسلم بھی تعددِ ازدواج کو جائز قرار دے رہے ہیں حالانکہ اس سے پہلے وہ اس کو ظلم قرار دیتے تھے۔

اسلام میں مشترکہ بیوی کا قانون نہیں

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تعددِ ازدواج کے اتنے فوائد ہیں تو پھر عورتوں کو بھی اس کی اجازت ہونی چاہیے تھی کہ ایک عورت چار مردوں کی مشترکہ بیوی ہوتی یعنی ایک وقت میں اس کے چار خاوند ہوتے' حالانکہ اسلام نے مردوں کو تعددِ ازدواج کی اجازت دی ہے جب کہ عورتوں کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے۔اس کی کیا حکمت ہے؟ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر مرد کے لیے ایک مخصوص بیوی نہ ہوتی اور اس میں کوئی دوسرا مرد شریک ہوتا تو یقیناً باہمی رقابت کی وجہ سے ان میں لڑائیاں ہوتیں جن کا حیوانات میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور اسکی وجہ سے نظام منزّلی کا قائم رکھنا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہوتا۔''[۱۱۶]

صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت کیوں؟

قرآن کریم کی ماقبل بیان کردہ آیت اور بہت سی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کو صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے اور ایک مرد ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے چار کی قید کیوں لگائی؟ اگر تعددازداج کی اجازت دینی تھی تو مطلقاً اجازت ہوتی کہ ایک مرد جتنی چاہے بیویاں کر لیتا جیسا کہ باقی مذاہب میں اس کا تصور ملتا ہے۔اس کی مختلف وجوہ ہیں:

① اگر تعددازدواج کو مطلقاً جائز قرار دے دیتے تو لوگ حد اعتدال سے نکل کر سینکڑوں بیویاں کر لیتے اور ایسا کرنے سے ان بیویوں اور خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے۔اس لیے اسلام نے چار کی قید لگائی کہ جب اس سے ضرورت پوری ہوجاتی ہے تو پھر زائد کو ناجائز قرار دے دیا۔[۱۱۷]

② چار کی قید کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عورت فی نفسہٖ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایک طہر یعنی ایک ماہ میں کم از کم اس سے ایک بار ہم بستری ہو اور دوسری طرف متوسّط قوّت کا مرد ہفتہ میں ایک بار صُحبت کرنے سے اپنی صحت محفوظ رکھ سکتا ہے

یعنی ایک ماہ میں وہ چار بار ہم بستری کرسکتا ہے۔اب اس قاعدہ سے یہ معلوم ہوا کہ اگر چار عورتیں ہوں گی تو مرد ہر ماہ میں ان میں سے ہر ایک سے ایک بار ہم بستری کرسکتا ہے۔اس وجہ سے اسلام نے مرد کو چار سے زیادہ بیویاں رکھنے سے منع فرمادیا۔[۱۱۸]

تعددازدواج کی مشروط اجازت

تعددازدواج کے بارے میں دو باتیں بہت ضروری ہیں: (۱) اسلام نے تعددِ ازدواج کی اجازت دی ہے اور جس شخص کی ضرورت ایک نکاح سے پوری ہوجاتی ہے اس کے لیے دوسرا نکاح کرنا مناسب نہیں ہے۔(۲) تعددازدواج کی اجازت بھی عدل کی شرط کے ساتھ مشروط ہے اور وہ قرآن کی آیت سے ہی واضح ہورہی ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ (النساء)

''اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہیں کرسکو گے تو (انہیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ بلکہ) جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو دو دو' تین تین' چار چار تک۔لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو یا وہ عورتیں جو تمہاری ملکِ یمین ہوں۔یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم ایک ہی طرف کو نہ جھک پڑو۔''

مندرجہ بالا آیت میں تعددازدواج کو عدل کی شرط سے مشروط کیا گیا ہے جبکہ سورۃ النساء ہی کی آیت میں بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے اور ایک بیوی کی طرف جھک جانے والے کے لیے سخت وعید آئی ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء)

''اور تمہارے لیے ممکن ہی نہیں کہ تم عورتوں کے درمیان پورا پورا انصاف کرسکو'

چاہے تم اس کے لیے کتنے ہی حریص ہو تو ایسا نہ ہو کہ تم ایک ہی کی طرف پورے کے پورے جھک جاؤ کہ دوسری بیوی کو معلّق کر کے چھوڑ دو۔ اور اگر تم اصلاح کر لو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ بھی غفور اور رحیم ہے۔''

ڈاکٹر اسرار احمد اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم اپنی بیویوں میں (اگر ایک سے زائد ہیں) عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک پر ہی اکتفا کرو' دوسری شادی مت کرو۔ اگر تمہیں کُلّی طور پر اطمینان ہے' اپنے اوپر اعتماد ہے کہ تم عدل کر سکتے ہو تب دوسری شادی کرو' ورنہ نہیں۔''[۱۱۹]

بیویوں کے درمیان عدل کرنا تعدد ازدواج کی لازمی اور ضروری شرط ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے والے شوہر کو سخت وعید سنائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَاَتَانِ يَمِيْلُ مَعَ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَحَدُ شِقَّيْهِ سَاقِطٌ))[۱۲۰]

''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں میں سے ایک کی طرف زیادہ جھکے تو قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا (یعنی ضائع ہوا) ہوگا۔''

سید ضیاء الدین اس بارے میں لکھتے ہیں:

''اسلام نے مرد کو چار نکاح کرنے کی اجازت دی ہے لیکن یہ اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط کر دی ہے کہ جب مرد ان عورتوں میں برابری اور انصاف کرے۔ اگر کوئی شخص عورتوں میں برابری اور انصاف نہیں کرتا تو قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ پھر ایک ہی نکاح کافی ہے۔''[۱۲۱]

نوٹ: یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ مساوات اور عدل ان چیزوں میں ہے جن میں انسان کا اختیار ہوتا ہے اور وہ چیزیں جو انسان کے اختیار میں نہیں ہیں ان میں مساوات ضروری نہیں' مثلاً کسی ایک سے زیادہ پیار ہونا وغیرہ' کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہی ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (اپنی تمام ازواج کے

درمیان) انصاف اور عدل کیا کرتے تھے اور یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ))[۱۲۲]

''اے اللہ! یہ میری (عدل وانصاف پر مبنی) تقسیم ہے ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں۔ اب وہ چیزیں جو میرے اختیار میں نہیں بلکہ تیرے اختیار میں ہیں' ان پر میرا مواخذہ نہ کرنا۔''

خلاصہ

اس ساری بحث سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام کا تعددِ ازدواج کا قانون بھی باقی قوانین کی طرح حکمتوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ غیر مسلموں کو ان حکمتوں کی پہچان اب جا کر ہوئی ہے اور غیر مسلموں نے جو یہ الزام لگایا کہ یہ قانون عورت پر ظلم ہے' یہ بھی سراسر غلط ثابت ہو گیا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اسلام جو ستم رسیدہ انسانوں کے لیے عدل و مساوات کا پیغام لے کر آیا اور مظلوم و بے سہارا لوگوں کی دادرسی کی تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ کسی کی حق تلفی کرے۔ اس لیے اسلام نے تعدد ازدواج کے قانون کے ذریعے عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی ہے کیونکہ اسلام سے قبل اور باقی مذاہب میں تعدد ازدواج کی کوئی حد نہیں ہے ایک شخص جتنی چاہے شادیاں کر سکتا ہے جبکہ اسلام نے اسے چار کی قید میں بند کیا اور عدل کے ساتھ اس قانون کو مقید کر دیا۔

بیوہ کا نکاحِ ثانی

جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ دنیا کے تمام مذاہب و اقوام میں مظلومیت کا شکار رہی ہے۔ ہندوستان میں تو عورت کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا ہے اور جب اس کا شوہر مر جائے اور وہ بیوہ ہو جائے تو پھر اس پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے جاتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ یہ عورت اپنے شوہر کی قاتل ہے جس کی وجہ سے اسے درندگی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ہندوستانی بیوائیں اپنے شوہر کے ساتھ ہی مر جانے کو ترجیح دیتی تھیں۔ اس کی وجہ شوہر سے وفاداری نہیں بلکہ اس زندگی سے گریز ہے جو شوہر کی وفات کے بعد

شروع ہوئی ہے۔ اگر چہ بعد میں اس ستی کی رسم کو غیر انسانی قرار دے کر ختم کر دیا گیا مگر ہندو معاشرہ میں بیوہ کی حالت اب بھی ویسی کی ویسی ہے اور آج بھی بعض علاقوں میں بیوائیں جانور سے بدتر زندگی سے موت کو ترجیح دیتے ہوئے خودکشی کر لیتی ہیں۔

یہودیت اور عیسائیت میں بھی بیوہ مظلومیت کی علامت ہے اور بیوہ کو دوسری شادی کا آزادانہ اختیار نہیں ہے۔ یہودیت میں تو بیوہ کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے مرحوم شوہر کے بھائی سے شادی کرے اور اس شادی کے لیے اس کی رضا کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ عیسائیت میں بھی بیوہ کی حالت دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہے۔

اسلام نے جہاں باقی تمام برائیوں کو ختم کر کے لوگوں کو ان کے جائز حقوق دیے وہاں شریعتِ اسلامیہ نے بیوہ عورت کے بارے میں تمام پرانے اور دقیانوس خیالات کا خاتمہ کر کے اسے ایک عزت دار زندگی گزارنے کا حق دیا اور اسے اجازت دی کہ وہ عدت گزارنے کے بعد جس سے چاہے شادی کر سکتی ہے اور اسے اس پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۲۳۴ (البقرۃ)

''اور جو تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں روکے رکھیں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک۔ پس جب وہ اپنی اس مدت تک پہنچ جائیں (یعنی عدت گزار لیں) تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس معاملے میں جو کچھ وہ اپنے بارے میں دستور کے مطابق کریں۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

اس آیت میں واضح طور پر یہ حکم دے دیا گیا کہ عورت اپنے شوہر کے مرنے کے بعد چار ماہ دس دن کی عدت گزار کر جس سے چاہے شادی کر سکتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے خود کئی بیوہ عورتوں سے شادی کر کے ان کو عزت بخشی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی ان کی تقلید میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ نبی

کریم ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیوہ دوبارہ نکاح کرا سکتی ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ مثلاً حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کا نکاح یکے بعد دیگرے چار اصحاب حضرت حذیفہ، حضرت شماخ بن سعید، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن الاسود رضی اللہ عنہم سے ہوا۔ (۱۳۲)

اسی طرح حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آتا ہے جن کا نکاح بھی یکے بعد دیگرے حضرت عبداللہ، حضرت زید بن خطاب، حضرت عمر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم سے ہوا۔ (۱۳۳)

قرآن وسنت سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اسلام میں بیوہ کو دوسری شادی کرنے اور معاشرہ میں عزت کی زندگی گزارنے کا پورا حق حاصل ہے۔

بیوہ کے بارے میں معاشرتی خرابیاں

بیوہ کو اسلام نے تمام جائز حقوق دیے ہیں لیکن ہمارا معاشرہ چونکہ ہندو تہذیب کے ساتھ کافی زمانہ رہا ہے اس لیے اس معاشرہ میں بھی بیوہ کے بارے میں بہت سی خرافات وجود میں آ گئی ہیں جن میں سے چند ایک کو ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:

① **موت سے زوجین کو نامحرم سمجھنا:** عموماً لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ مرتے ہی مرد و عورت کا تعلقِ ازدواج ختم ہو جاتا ہے۔ اب نہ مرد عورت کی میت کو دیکھ سکتا ہے اور نہ عورت اپنے مرے شوہر کو اور نہ وہ اپنے جیون ساتھی کو غسل دے سکتے ہیں، حالانکہ اسلام نے تو ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ یہ جہالت صرف سنی سنائی باتوں کو بیان کرنے سے رواج پا گئی، حالانکہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا مشہور قاعدہ ہے: ''کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات آگے بیان کر دے'' —— پروفیسر رفیع اللہ شہاب اپنی کتاب ''اسلامی تہوار اور رسومات'' میں اس خرابی کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''ہمارے ہاں یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ موت کے بعد میاں اور بیوی کا رشتہ زوجیت ختم ہو جاتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے نہ تو خاوند اپنی بیوی کی میت کو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اسے ہاتھ لگا سکتا ہے۔ اسی طرح بیوی کو بھی ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔ امروز کے بعض قارئین نے اس بارے

میں راقم سے استفسار کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ یہ بات دل کو نہیں لگتی کہ موت کے فوراً بعد زندگی بھر کے ساتھیوں کا رشتہ اس طرح سے منقطع ہو جائے۔''[۱۳۵]

شریعتِ اسلامیہ میں اس قسم کی کوئی پابندی نظر نہیں آتی کہ موت کے ساتھ ہی یہ رشتہ زوجیّت ختم ہو جائے اور میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے نامحرم بن جائیں۔ہم یہاں چند واقعات کو بیان کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کی میت کو غسل دیا اور بیوی نے اپنے شوہر کی میت کو۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((مَاضَرَّكِ لَوْمِتِّ قَبْلِي فَقُمْتُ عَلَيْكِ فَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ وَ صَلَّيْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ))[۱۳۶]

''اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہوگئیں تو تم پر کوئی ضرر نہیں ۔ میں خود تمہیں غسل دوں گا اور تمہیں کفن پہناؤں گا۔اور تمہاری نماز جنازہ پڑھ کے خود تمہیں دفن کروں گا۔''

اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو وصیت کی کہ وفات کے بعد وہی ان کو غسل دیں۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کو غسل دیا' لیکن وہ اکیلے اس کام کو نہیں کر سکتی تھیں اس لیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کی مدد کی۔[۱۳۷]

ان واقعات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ موت سے مرد و عورت کا رشتہ زوجیت ختم نہیں ہو جاتا۔وہ غسل بھی دے سکتے ہیں اور میت کو دیکھ اور چھو بھی سکتے ہیں۔

② **مسلم معاشرہ میں بیوہ کے نکاح کو بُرا سمجھنا:** برصغیر کا مسلم معاشرہ چونکہ ہندوستانی تہذیب اور رسم و رواج سے متاثر نظر آتا ہے اس لیے ہندو معاشرہ کو دیکھتے ہوئے اب مسلمان معاشرے میں بھی بیوہ کے ساتھ وہی ظلم آمیز سلوک کیا جاتا ہے اور بیوہ کی دوسری شادی کو برا تصور کیا جاتا ہے اور بیوہ عورت سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد اب وہ دوسری شادی کی خواہش اپنے دل سے نکال دے گی۔حالانکہ بیوہ عورت کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت قرآن نے دی ہے اور نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت ہے (جیسا کہ ہم نے ماقبل بیان کر دیا)۔ان تمام باتوں کے باجود بیوہ کے بارے میں ایسا ہندوانہ خیال

رکھنا کتنی بے عقلی کی بات ہے۔ پروفیسر رفیع اللہ شہاب اس بارے میں لکھتے ہیں:

''شریعتِ اسلامی نے بیوہ عورت کے بارے میں اس قسم کے خیالات کا خاتمہ کیا۔خود رسول اللہ ﷺ نے انہی بیوہ عورتوں سے شادی کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ کی تقلید کی۔تمام اسلامی ادوار میں اس پر عمل ہوتا رہا تاہم برصغیر کا مسلم معاشرہ چونکہ ہندو رسم و رواج سے متاثر ہوا اس لیے ہمارے ہاں ابھی تک بیوہ کے ساتھ نکاح کو پسندیدہ شمار نہیں کیا جاتا لیکن ان لوگوں کی بھی کمی نہیں جو اب بھی اس بارے میں اسلامی احکامات پر صدقِ دل سے عمل کراتے ہیں۔''[۱۳۸]

ہمیں چاہیے کہ ہم ہندوانہ رسم چھوڑ کر بیوہ کے بارے میں اس طریقے سے فیصلہ کریں جس طرح اسلام ہمیں حکم دیتا ہے اور بیوہ کی دوسری شادی پر کوئی قدغن یا پابندی نہ لگائیں اور اسے معاشرے میں بھی وہ مقام دیں جو نبی کریم ﷺ نے دیا ہے۔

اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح نظر آتی ہے کہ کنواری کی نسبت بیوہ کی شادی زیادہ ضروری ہے اس لیے کہ کنواری لڑکی کو صالح زوجیت کا علم نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو صرف علم ہوتا ہے مشاہدہ نہیں' جبکہ بیوہ کو عین الیقین یعنی مشاہدہ ہو گیا ہوتا ہے اور ایسی حالت میں وساوس زیادہ آتے ہیں اور کبھی زندگی' کبھی آبرو' کبھی دین' اور کبھی سب کچھ ہی برباد ہو جاتا ہے اس لیے بیوہ کی شادی کر دینے میں ہی فائدہ ہے۔[۱۳۹]

مطلقہ کا نکاحِ ثانی

اسلام کے علاوہ اگر باقی مذاہب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندومت' یہودیت اور عیسائیت کسی بھی مذہب میں طلاق کا تصور ہی موجود نہیں ہے اور مذہباً طلاق دینے کی ایک ہی صورت بیان کی جاتی ہے کہ اگر شوہر بیوی کو زنا کی حالت میں دیکھ لے تو وہ اسے طلاق دے سکتا ہے۔ جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے تو ان مذاہب میں اس کا دوسرا نکاح کسی صورت بھی جائز نہیں ہے اور نہ ہی کسی مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی مطلقہ سے شادی کرے۔ بائبل میں اس بارے میں واضح احکامات موجود ہیں کہ مطلقہ سے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

اسلام نے باقی قوانین کی طرح مطلقہ کے بارے میں بھی فطرت کے مطابق حکم دیا ہے اور مطلقہ کے حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے اس کو دوسرا بیاہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

''اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو، پھر وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو مت آڑے آؤ اس میں کہ وہ عورتیں پھر نکاح کر لیں اپنے سابق ازواج سے، جبکہ وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں۔ یہ وہ چیز ہے جس کی نصیحت کی جا رہی ہے تم میں سے اس کو جو واقعتاً اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ یہی طریقہ تمہارے لیے زیادہ پاک اور زیادہ عمدہ ہے۔ اور اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔''

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا شانِ نزول بیان کر کے یہ واضح کر دیا کہ عورت کو نہ تو پہلا خاوند کہیں نکاح کرنے سے روک سکتا ہے اور نہ مطلقہ عورت کا ولی اسے نکاح سے روک سکتا ہے:

''ایک عورت کو اس کے خاوند نے ایک یا دو طلاق دی اور پھر عدت میں رجعت بھی نہ کی۔ جب عدت ختم ہو چکی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ زوج اول نے بھی نکاح کا پیام دیا، عورت بھی اس پر راضی تھی مگر عورت کے بھائی کو غصہ آیا اور نکاح کو روک دیا۔ اس پر یہ حکم اترا کہ عورت کی خوشنودی اور بہبود کو ملحوظ رکھو۔ اسی کے موافق نکاح ہونا چاہیے۔ اپنے کسی خیال اور ناخوشی کو دخل مت دو اور یہ خطاب عام ہے نکاح سے روکنے والوں سب کو خواہ زوجِ اول جس نے طلاق دی ہے وہ دوسری جگہ عورت کو نکاح کرنے سے روکے یا عورت کے ولی اور وارث عورت کو پہلے خاوند سے یا کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے مانع ہوں سب کو روکنے سے ممانعت آ گئی۔ ہاں اگر خلافِ قاعدہ کوئی بات ہو، مثلاً غیر کفو میں عورت نکاح کرنے لگے یا پہلے خاوند کی عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہے تو بیشک

ایسے نکاح سے روکنے کا حق ہے۔ بالمعروف فرمانے کا یہی مطلب ہے۔''[۱۳۰]

سورۃ الاحزاب میں حضرت زینب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کا قصہ بیان ہوا ہے۔ پہلے ان دونوں کا نکاح ہو گیا، لیکن کسی وجہ سے ان میں نبھا نہیں ہو سکا تو حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

''پھر جب زید نے ان سے (کوئی) حاجت (متعلق) نہ رکھی (یعنی ان کو طلاق دے دی) تو ہم نے ان کو آپ (محمد رسول اللہ ﷺ) کے نکاح میں دے دیا تاکہ مؤمنوں کے لیے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے میں) کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے (اپنی) حاجت (متعلق) نہ رکھیں (یعنی طلاق دے دیں)۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم واقع ہو کر رہنے والا ہے۔''

ان آیاتِ قرآنی اور نبی کریم ﷺ کے عمل سے معلوم ہوا کہ مطلقہ سے نکاح کرنے یا مطلقہ کا نکاح کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ عورت کا فطرتی حق ہے اور اسلام ہر شخص کے فطرتی حق کی نہ صرف حفاظت کرتا ہے بلکہ اس کا ضامن بھی ہے۔

زنا اور حدِّ زنا

زنا کی حد اور اس کی سزا کو بیان کرنے سے پہلے ہم زنا کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ مسعود الکاسانی نے زنا کی بڑی جامع تعریف کی ہے:

اما الزنا فهو اسم للوطئ الحرام فی قبل المراة الحية فی حالة الاختيار فی دار العمل ممن التزم احكام الاسلام العارى عن حقيقة الملك وعن شبهه وعن حق الملك وعن حقيقة النكاح وشبهة وعن الاشتباه فی موضع الاشباه فی الملك والنكاح جميعا[۱۳۱]

''زنا اس حرام جماع کو کہتے ہیں جو دار الاسلام میں کسی بالغ مرد کی طرف سے زندہ عورت کی شرمگاہ میں حالتِ اختیار میں کیا جائے اور اس عورت سے مرد کا

صحیح نکاح نہ ہوا ہو' نہ شبہ نکاح ہوا اور نہ فاسد نکاح ہوا ہو۔''

اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ نے زنا کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''شریعت اسلامی میں زنا سے مراد ایسی عورت کے ساتھ (کسی مرد کے) مکمل قسم کے جنسی تعلقات ہیں جو شرعاً صحیح نکاح کے ذریعے مرد کی زوجیت میں نہ ہو' اپنی مطلقہ بائنہ ہو' عقد فاسد سے نکاح میں لایا ہو یا محرمات میں سے ہو حتیٰ کہ نکاح کے بعد بھی محرمات میں سے کسی کے ساتھ مجامعت یا جنسی تعلقات زنا میں شامل ہیں۔''[۳۲]

حنفی فقہاء کے نزدیک زنا کی تعریف یہ ہے:

''کوئی مرد عورت کے فرج میں مالک ہونے یا ملکیت کے شبہ کے بغیر جماع کرے۔''[۳۳]

زنا کی حد

زنا کی ان تعریفات کو بیان کرنے کے بعد اب ہم اس کی سزا کو بیان کرتے ہیں۔ ہم نے ماقبل ابواب میں مختلف مذاہب کی تعلیمات کی روشنی میں زنا کی سزا کو بیان کیا' ان کا اسلامی تعلیمات سے موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مذاہب میں اس کی سزا' اسلام کی حد زنا سے مختلف ہے۔

ہندومت میں زنا بالرضا تو زنا کے زمرے میں نہیں آتا اس لیے اس پر کوئی سزا نہیں ہے اور باقی رہ گیا زنا بالجبر۔ اس کے بارے میں قاعدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اگر بڑی ذات کا مرد چھوٹی ذات کی عورت سے زنا کرے تو اس کی کوئی سزا نہیں ہے اور اگر چھوٹی ذات کا مرد بڑی ذات کی عورت سے زنا کرے تو اس کے لیے سزا ہے' بعض دفعہ اسے قتل کی سزا کا حکم ہے اور بعض دفعہ عضوِ تناسل کے کاٹنے کا۔

یہودیت اور عیسائیت چونکہ آسمانی مذاہب میں شمار ہوتے ہیں اس لیے ان کے قانون فطرت کے مطابق نظر آتے ہیں۔ ان میں زنا کی سزا رجم ہے' مگر یہودی معاشرہ میں اگر کوئی بڑا زنا کرتا تو اس کو رجم کی سزا نہیں دی جاتی تھی بلکہ اس کا منہ کالا کر دیا جاتا تھا اور اگر کوئی عام آدمی زنا کرتا تو اس کو رجم کر دیا جاتا۔

اسلام کے تمام قانون فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں اور حد زنا کے معاملے میں بھی اسلام نے مساوات رکھی ہے۔ یعنی عام معاشرتی قوانین کی طرح حد زنا میں بھی کسی بڑے یا چھوٹے کا لحاظ نہیں کیا' بلکہ زنا کو کبیرہ گناہ قرار دے کر اس کی سخت سزا مقرر کی ہے تاکہ لوگ عبرت پکڑ کر اس کام سے باز آجائیں۔ بقول ڈاکٹر عابد علی:

''زنا چونکہ دیگر معاشرتی خرابیوں کے علاوہ عصمت اور انسانی حسب ونسب پر دست درازی ہے اس لیے اس کی حد بھی اشد الحدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زنا تمام شرائعِ سماویہ اور ملتِ اسلامیہ کے تمام فرقوں کے نزدیک حرام ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ علمائے اسلام نے زنا کو فواحش الکبائر اور کبائر العظام قرار دیا ہے۔''[۳۴]

غیر شادی شدہ کی سزا

ابتدائے اسلام میں اگر کوئی عورت زنا جیسے گھٹیا فعل کا ارتکاب کرتی تھی تو اسے ایک کمرے میں بند کر دیا جاتا تھا' حتیٰ کہ وہ اس قید میں مر جاتی تھی اور مرد کو جسمانی سزا دی جاتی تھی۔ اس کا ذکر قرآن نے بھی کیا ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰى یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝ (النساء)

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔ پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند کر دو یہاں تک کہ موت ان کو آلے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکال دے۔ اور جو دونوں تم میں سے اس (بدکاری) کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو ایذا پہنچاؤ۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو ان کو چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

ڈاکٹر اسرار احمدؒ ''بیان القرآن'' میں اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''بدکاری کے متعلق یہ ابتدائی حکم تھا۔ بعد میں سورۃ النور میں حکم آ گیا کہ بدکاری کرنے والے مرد وعورت دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایسی لڑکیوں یا عورتوں کا تذکرہ ہے جو مسلمانوں میں سے تھیں مگر ان کا بدکاری کا معاملہ کسی غیر مسلم مرد سے ہو گیا جو اسلامی معاشرے کے دباؤ میں نہیں ہے۔ ایسی عورتوں کے متعلق یہ ہدایت فرمائی گئی کہ انہیں تاحکم ثانی گھروں کے اندر محبوس رکھا جائے..... (دوسری آیت میں فرمایا کہ) اگر بدکاری کا ارتکاب کرنے والے مرد وعورت دونوں مسلمانوں میں سے ہی ہوں تو دونوں کو اذیّت دی جائے۔ یعنی ان کی توہین وتذلیل کی جائے اور مارا پیٹا جائے۔''[۱۳۵]

سورۃ النور میں زنا کرنے والے مرد اور عورت کی سزا کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی مرد یا عورت نے زنا کا ارتکاب کیا اور وہ غیر شادی شدہ ہوں تو ان کو سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ فرمایا:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور)

''بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اور اگر تم اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے حکم (پورا کرنے) میں تمہیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے۔ اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہو۔''

شادی شدہ کی سزا

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لیے اسلام نے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی حدِ زنا میں فرق رکھا ہے۔ شادی شدہ زنا کرنے والے کے لیے کوڑوں کے بجائے ''رجم'' کی سزا اسلام نے مقرر کی ہے — رجم کا حکم احادیث سے ملتا ہے اور تمام علماء و فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ شادی شدہ مرد یا شادی شدہ عورت زنا جیسے قبیح فعل میں مبتلا ہو تو اس کو رجم کی سزا دی جائے گی۔ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

وقد اجماع الصحابةؓ ومن تقدم من السلف و علماء الامة و ائمة المسلمين على ان المحصن يرجم بالحجارة حتى يموت[۱۳۶]

قاضی بیضاوی نے بھی یہی ذکر کیا ہے کہ کوڑے والی سزا غیر شادی شدہ کے لیے ہے اور جو محصن یعنی شادی شدہ ہے اس کے لیے رجم کی سزا ہے:

وهو حكم يخص بمن ليس بمحصن لما دل على ان حد المحصن هو الرجم[۱۳۷]

اس بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام ایک فطرتی دین ہے جس کے تمام احکامات انسان کی منشا کے مطابق ہیں۔ باقی مذاہب سے برعکس زنا کی سزا کا جو تصور اسلام نے پیش کیا ایسا تصور کسی مذہب یا معاشرہ میں نہیں ملتا۔

کنواروں کے لیے کوڑے اور شادی شدہ کے لیے رجم کی سزا اسلام کی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے۔ شادی شدہ کے لیے اس لیے اتنی سخت سزا رکھی ہے کیونکہ وہ جائز ذرائع سے بھی اپنی خواہش پوری کر سکتا تھا یا وہ دوسری شادی کر کے اپنی خواہش کی تسکین کر سکتا تھا' مگر اس نے جائز ذرائع کو چھوڑ کر ناجائز ذریعہ اختیار کیا اس لیے اس کو اتنی سخت سزا دی جا رہی ہے تاکہ باقی لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔

خلاصۂ بحث

اس باب میں اسلام کے عائلی قوانین کو بیان کر کے ان کا موازنہ باقی مذاہب کے عائلی قوانین سے کیا گیا ہے۔ اس تقابل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام کے باقی معاملات کی طرح اسلام کی شادی بیاہ کی تعلیمات بھی سب سے اعلیٰ اور فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

اسلام نے عورت کو وہ عزت اور وہ مقام دیا ہے جس کی وہ یقینی طور پر حق دار تھی اور اسے مرد کے مساوی قرار دے کر اس کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔ اگرچہ اسلام میں میاں بیوی کے اختیارات مساوی ہیں مگر خاندان اور گھر کی شیرازہ بندی کے لیے مرد کو عورت پر ایک درجہ فوقیت دی گئی ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ عورت غلام کی

حیثیت سے زندگی گزارے گی بلکہ عورت کو تمام حقوق حاصل ہوں گے۔

اسلام نے جسمانی خوبصورتی اور دنیوی جاہ وجلال کے بجائے شادی کے لیے دین داری کو ترجیح دینے کا حکم دیا ہے۔ منگنی ہوجانے کے بعد منگیتر کو دیکھنا اور پیامِ نکاح پر پیام بھیجنے کی پابندی، نکاح کا سادہ اور آسان طریقہ اور عورت کے لیے مہر کا وجوب، یہ سب قوانینِ اسلام کے فطرتی ہونے کی علامات ہیں۔

اسلام نے تعددازدواج کو جائز قرار دیا مگر ضروری نہیں کہ ہر شخص ایک سے زیادہ شادیاں کرے بلکہ ضرورت کے تحت ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور تعددِ ازدواج کے لیے چار کی حد بھی مقرر کی تاکہ مرد اپنی جان پر بھی ظلم نہ کرے اور نہ اپنی بیویوں پر۔ تعددازدواج کے سلسلے میں سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس کو عدل کے ساتھ مشروط کرکے عورتوں کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

زنا کے بارے میں بھی اسلامی قانون فطرت کے عین مطابق ہے کہ اگر کنوارا مرد یا عورت زنا کا ارتکاب کریں تو ان کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا جیسے برے فعل کا ارتکاب کریں تو ان کو رجم کی سزا دی جائے گی۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اسلام نے نکاح کے معاملے کو بہت آسان بنایا، مگر ہمارے معاشرے میں اس کو بہت پیچیدہ بنا دیا گیا اور ایسی ایسی رسومات کو اس میں شامل کرلیا گیا جن کا اسلام سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وہ رسومات اور خرافات ہیں جن کی وجہ سے لوگ پریشان نظر آتے ہیں۔ آج بھی اگر نکاح کے معاملے کو اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق سرانجام دیا جائے تو اس سے آسان اور کوئی معاملہ نہیں ہے۔ وما توفیقی الا باللہ!

الغرض اسلام کے تمام قوانین بہت آسان اور قابلِ عمل ہیں اور ان قوانین میں انسانی فطرت کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ اسلام کا ازدواجی نظام بھی باقی نظاموں کی طرح ایک فطرتی نظام ہے جس کو قرآن پاک نے مجملاً اور سنتِ رسول نے تفصیلاً بیان کیا ہے۔

حواشی (باب پنجم)

① اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۱۳۴۔

② سیرتِ محبوبِ کائنات، ص ۵۶۔

③ بیان القرآن، ج ۲، ص ۲۹۸۔

④ اسلام کا فوجداری قانون، ص ۳۱۔

⑤ آدابِ شہریت، ص ۹۸۔۹۹۔

⑥ بیان القرآن، جلد ۸، ص ۷۔

⑦ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباء ۃ فلیصم۔ وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه الیه.....

⑧ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب النهی عن تزویج من لم یلد من النساء۔ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب کراهیة تزویج العقیم۔

⑨ عورت قبل از اسلام وبعد از اسلام، ص ۱۶۴۔

⑩ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف۔

⑪ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین۔ وصحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین۔

⑫ ہدیۃ العروس، ص ۷۳۔

⑬ مسند احمد، کتاب مسند العشرة المبشرین بالجنة، راوی: سعد بن ابی وقاص ﷺ

⑭ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة۔

⑮ شادی کا شرعی معیار، ص ۴۲۔

⑯ سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب تزویج الابکار۔

⑰ صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب شراء الدواب والحمر.....

⑱ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب النهی عن تزویج من لم یلد من النساء۔ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب کراهیة تزویج العقیم۔

۱۹ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب النکاح، باب المرأۃ الصالحۃ و السیئۃ الخلق۔

۲۰ مجموعہ قوانین اسلام، جلد اول، ص ۲۶۳، ۲۶۴۔

۲۱ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب عرض الامرأۃ نفسها علی الرجل الصالح۔

۲۲ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب السلطان ولی لقول النبی ﷺ زوجنا کها بمامعک......

۲۳ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾۔

۲۴ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الخطبۃ علی خطبۃ اخیه حتی یاذن او یترک۔

۲۵ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا یخطب علی خطبة اخیه حتی ینکح اوید ع۔

۲۶ عورت قبل از اسلام و بعد از اسلام، ص ۱۷۳۔

۲۷ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل ینظر الی مرأۃ وهو یرید تزویجها۔

۲۸ سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب النظر الی المرأۃ اذا اراد ان یتزوجها۔

۲۹ ہدیۃ العروس، ص ۱۰۴۔

۳۰ اصلاح الرسوم، ص ۵۶۔

۳۱ ہدیۃ العروس، ص ۱۰۱۔

۳۲ اصلاح الرسوم، ص ۵۴۔

۳۳ جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین، ص ۶۹۔

۳۴ عورت قبل از اسلام و بعد از اسلام، ص ۱۶۴۔۱۶۵۔

۳۵ اسلامی شادی، ص ۱۱۶۔

۳۶ عورت قبل از اسلام و بعد از اسلام، ص ۱۶۵۔

۳۷ سنن الترمذی، کتاب الجنائز عن رسول اللّٰہ ﷺ، باب ما جاء فی تعجیل الجنازۃ۔ قال ابو عیسٰی هذا حدیثٌ غریبٌ حسنٌ۔

۳۸ رواه البیهقی فی شعب الایمان۔

۳۹ اسلامی شادی، ص ۱۱۵۔

۴۰ بحوالہ: جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین، ص ۶۹۔

۴۱ سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب من زوج ابنته وهی کارهة۔

۴۲ سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب من زوج ابنته وهی کارهة۔

۴۳ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لاینکح الاب وغیره البکر والثیب الا برضاها۔

۴۴ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب فی النکاح با لنطق والبکر بالسکوت۔

۴۵ بحوالہ اشرف الہدایہ، ج ۴، ص ۵۵۔

۴۶ حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲۔

۴۷ هدایہ، کتاب النکاح، جلد ۲، ص ۲۸۶۔

۴۸ اسلام کے عائلی قوانین، ص ۴۵۔

۴۹ مجموعہ قوانین اسلام، جلد ۱، ص ۱۲۲۔

۵۰ اسلام کے عائلی قوانین، ص ۴۵۔

۵۱ فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح، جلد ۱، ص ۲۹۷۔

۵۲ هدایہ، کتاب النکاح، جلد ۲، ص ۲۸۲۔

۵۳ مجموعہ قوانین اسلام، جلد ۱، ص ۱۰۲۔

۵۴ ردالمختار، جلد ۳، ص ۳۶۱۔ بحوالہ: اسلام کے عائلی قوانین، ص ۳۹۔

۵۵ اسلام کے عائلی قوانین، ص ۳۹۔

۵۶ اشرف الہدایہ، ج ۴، ص ۱۷۔

۵۷ مجموعہ قوانین اسلام، جلد ۱، ص ۳۴۔

۵۸ ایضاً۔

۵۹ اسلام کے عائلی قوانین، ص ۴۰۔۴۱۔

۶۰ ایضاً، ص ۴۱۔

۶۱ جدید فقہی مسائل، ص ۱۶۴۔۱۶۵۔

۶۲ فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح، جلد ۲، ص ۲۔ بحوالہ: مجموعہ قوانین اسلام، ج ۱، ص ۱۰۳۔۱۰۴۔

(۶۴) فتاویٰ رحیمیہ، جلد۳، ص۱۲۰۔ بحوالہ: شادی کا شرعی معیار، ص۸۸۔

(۶۵) درالمختار، جلد۲، ص۴۳۴۔ بحوالہ: جدید فقہی مسائل، ص۳۔

(۶۶) جدید فقہی مسائل، ص۱۶۴۔

(۶۷) شادی کا شرعی معیار، ص۸۸۔

(۶۸) کتاب الفقہ، ج۴، ص۹۹۔

(۶۹) مجموعہ قوانین اسلام، ص۲۷۹۔

(۷۰) ضیاء القرآن، ج۱، ص۳۱۹۔

(۷۱) صحیحح مسلم ،کتاب النکاح، باب الصداق وجواز تعلیم قرآن وخاتم حدید.....

(۷۲) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الشغار۔وسنن النسائی،کتاب النکاح، باب تفسیر الشغار۔

(۷۳) کتاب الفقہ، ج۴، ص۹۴۔

(۷۴) اسلام میں حیثیتِ نسواں، ص۵۵۔

(۷۵) اسلامی شادی، ص۳۳۔

(۷۶) مسند احمد، کتاب اول مسند الکوفیین۔راوی:صھیب بن سنان رضی اللہ عنہ۔

(۷۷) شادی کا شرعی معیار، ص۹۶۔

(۷۸) اسلامی شادی، ص۱۴۱۔

(۷۹) شادی کا شرعی معیار، ص۹۷۔۹۸۔

(۸۰) مذکورہ خطبہ مختلف روایات کا مجموعہ ہے۔حوالہ جات کے لیے درج ذیل احادیث ملاحظہ کی جاسکتی ہیں:(۱)سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی خطبة النکاح۔(۲)سنن الترمذی، کتاب النکاح،باب ما جاء فی خطبة النکاح۔(۳)سنن النسائی، کتاب الجمعہ،باب کیفیة الخطبة۔

(۸۱) صحیح البخاری،کتاب النکاح،باب الولیمة حق ۔اورمتعددمقامات۔

(۸۲) صحیح البخاری، کتاب النکاح،باب الولیمة ولو بشاة ۔

(۸۳) ایضاً۔

(۸۴) فتاویٰ رحیمیہ، جلد۳، ص۱۲۶۔

(۸۵) صحیح مسلم،کتاب النکاح، باب الامر باجابة الداعی الی الدعوة۔

(۸۶) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب من ترك الدعوة فقد عصی اللّٰہ ورسولہ۔

(۸۷) اسلامی شادی، ص۲۲۷۔

(۸۸) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الامر باجابة الداعی الی دعوة۔

(۸۹) ایضاً۔

(۹۰) سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء فی دخول الحمام۔ قال ابو عیسٰی ھذا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ۔

(۹۱) سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی طعام المتباریین۔

(۹۲) صحیح البخاری،کتاب النکاح،باب ھل یرجع اذا رای منکرا فی الدعوة۔

(۹۳) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الھدیة للعروس۔

(۹۴) سیرت ابن ہشام، جلد۲، ص۳۵۹۔

(۹۵) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح،باب مایقال للمتزوج۔

(۹۶) صحیح البخاری،کتاب النکاح،باب کیف یدع للمتزوج۔

(۹۷) اسلامی شادی، ص۱۷۳۔

(۹۸) اسلامی شادی، ص۲۰۱۔

(۹۹) ہدیۃ العروس، ص۱۷۲۔

(۱۰۰) اسلامی شادی، ص۳۰۔

(۱۰۱) ہدیۃ العروس، ص۱۷۴۔

(۱۰۲) اسلامی شادی، ص۱۵۹۔

(۱۰۳) سنن ابی داؤد،کتاب الاطعمة،باب ماجاء فی اجابة الدعوة۔

(۱۰۴) صحیح البخاری،کتاب الاشربة،باب ماجاء فیمن یستحل الخمر و یسمیہ بغیر اسمہ۔

(۱۰۵) سنن الترمذی ، کتاب النکاح، باب ما جاء فی اعلان النکاح۔

(۱۰۶) صحیح البخاری،کتاب النکاح، باب نسوة اللاتی یھدین المرأة الی زوجھا ودعائھن۔

(۱۰۶) ہدیۃ العروس، ص ۱۷۶۔
(۱۰۷) بحوالہ اسلامی شادی، ص ۱۳۱۔
(۱۰۸) ہدیۃ العروس، ص ۱۷۷۔
(۱۰۹) ان رسومات کی تفصیل دیکھنے کے لیے ان کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے: (۱) اسلامی شادی، مولانا اشرف علی تھانوی (۲) ہدیۃ العروس، حافظ مبشر حسین (۳) شادی کا شرعی معیار، مفتی اسد اللہ نعمانی (۴) اصلاح الرسوم، مولانا اشرف علی تھانوی۔
(۱۱۰) شادی ایک مطالعہ، ص ۱۸۱۔
(۱۱۱) صحیح البخاری، کتاب الشهادات، باب الشهادة على الانساب والرضاع المستفيض والموت۔
(۱۱۲) سنن النسائی، کتاب النکاح، باب ما یحرم من الرضاع۔
(۱۱۳) مجموعہ قوانین اسلام، جلد ۱، ص ۱۵۷۔
(۱۱۴) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا تنكح المرأة على عمتها۔
(۱۱۵) بحوالہ: مجموعہ قوانین اسلام، ج ۱، ص ۱۷۴۔
(۱۱۶) حجۃ اللہ البالغہ، جلد اول، ص ۲۷۴۔
(۱۱۷) اسلامی شادی، ص ۲۳۷۔
(۱۱۸) اسلامی شادی، ص ۲۳۷۔۲۳۸۔
(۱۱۹) بیان القرآن، ج ۲، ص ۲۰۸۔
(۱۲۰) سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب القسمة بين النساء۔ وسنن النسائی، کتاب عشرة النساء، باب ميل الرجل الى بعض نسائه دون بعض۔
(۱۲۱) عورت قبل از اسلام و بعد از اسلام، ص ۱۷۳۔۱۷۴۔
(۱۲۲) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب القسم بين النساء۔
(۱۲۳) الطبقات الکبریٰ، ج ۸، تذکرہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا، ص ۲۷۰۔
(۱۲۴) ایضاً، تذکرہ عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا، ص ۲۶۵۔
(۱۲۵) اسلامی تہوار اور رسومات، ص ۲۶۳۔
(۱۲۶) سنن ابن ماجه، کتاب ماجاء فی الجنائز، با ب ما جاء فی غسل الرجل امرأته و

غسل المرأة زوجها۔
(۱۲۷) بحوالہ: اسلامی تہوار اور رسومات، ص ۲۶۵۔
(۱۲۸) عورتوں کے بارے میں قرآنی احکامات، ص ۳۷۔
(۱۲۹) اسلامی شادی، ص ۵۳۔
(۱۳۰) تفسیرِ عثمانی، ص ۴۶۔
(۱۳۱) بدائع الصنائع، جلد ۷، ص ۳۳۔۳۴۔
(۱۳۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۰، ص ۴۹۶۔
(۱۳۳) المحلیٰ، ج ۱۰، ص ۱۱۷۔
(۱۳۴) عورت قرآن و سنت اور تاریخ کے آئینہ میں، ص ۵۳۹۔
(۱۳۵) بیان القرآن، ج ۲، ص ۱۳۲۔
(۱۳۶) روح المعانی، ص ۷۸۔۷۹۔
(۱۳۷) تفسیر بیضاوی، ص ۴۶۲۔

حرفِ آخر

آج سے چودہ سو سال پہلے وادی غیر ذی زرع میں مبعوث ہونے والے رحمۃٌ للعالمین حضرت محمد ﷺ کی معرفت سے اہلِ دنیا کو ربّ العالمین کا پیغام سنایا گیا اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ ہی کی وساطت سے کائناتِ انسانی کو قرآن پاک جیسا بے نظیر ولازوال منبع ہدایت عطا کیا گیا جس میں انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات سے متعلق مکمل نظام موجود ہے اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کا کامل اور اصولی نظام اسلامی تعلیمات میں نہ ہو۔

اسلام دین فطرت ہے اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی اصلاح کے لیے ہدایات فراہم کرتا ہے۔ اسلام کسی ایسے مذہب کا نام نہیں ہے جو صرف انسان کی نجی اور انفرادی زندگی کا داعی ہو اور جس کا کُل سرمایہ چند عبادات اور چند افکار ورسومات پر مشتمل ہو؛ بلکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کی صورت گری کرتا ہے۔

گزشتہ ابواب میں ہندومت، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے تصورِ نکاح کو بیان کیا گیا۔ ان مذاہب کی تعلیمات کی روشنی میں نکاح سے متعلق قوانین کو زیر بحث لایا گیا اور شادی کی مذہبی اور معاشرتی رسومات کی بھی نشاندہی کی گئی۔

بعد از تحقیق مقالہ نگار نے محسوس کیا کہ غیر آسمانی مذہب ہندومت اور آسمانی مذاہب یہودیت وعیسائیت کا تصورِ نکاح اور قوانینِ نکاح عجیب وغریب اور افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ ان مذاہب اور معاشروں میں عورت کو کوئی عزت کی چیز نہیں سمجھا جاتا اور اس سے لونڈیوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں عجیب وغریب قانون بنا لیے گئے ہیں۔ ان مذاہب اور معاشروں میں ایک عام عورت سے ایسا سلوک کیا جاتا ہے تو بیوی سے کیا سلوک کیا جاتا ہوگا، اس کا اندازہ اس سے آسانی سے لگایا جاسکتا ہے

کہ ان معاشروں میں بیوی کا کام خاوند کی خدمت کرنا اور بچے پیدا کرنا ہے، اس کے علاوہ اس کو کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔

ان مذاہب میں نکاح کے جو قوانین ہیں وہ بھی افراط وتفریط کا شکار ہیں اور ہر ایک قانون عورت کی مظلومیت کو بیان کرتا ہے، مثلاً ایک مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ جتنی عورتوں سے چاہے شادی کر لے یعنی تعدد ازدواج کی کوئی حد نہیں ہے مگر دوسری طرف بیوہ یا مطلقہ عورت کو دوبارہ نکاح کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ جبکہ ہندومت میں تو بیوہ کو ستی یعنی شوہر کے ساتھ جل جانے کا حکم ہے اور یہودیت میں بیوہ کو مرحوم شوہر کے بھائی سے بغیر اس کی رضا پوچھے شادی کرنے کا حکم ملتا ہے۔

ان مذاہب کے برعکس اسلام دینِ فطرت ہے اور یہ بنی نوعِ انسان کی بھلائی کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس میں ازدواجی زندگی کے متعلق بھی مکمل اور واضح احکامات دیے گئے ہیں اور اس میں میاں بیوی دونوں کے حقوق کی پاسداری کی گئی ہے۔

اسلام کا تصورِ نکاح اور نکاح سے متعلق دیگر قوانین باقی مذاہب کے قوانین کی نسبت مفید اور باعثِ رحمت ہیں اور دنیا کا کوئی بھی مذہب، معاشرہ یا تہذیب اس قانون کی ہمہ گیریت اور وسعت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

اسلام نے مذکورہ مذاہب کے برعکس مرد وعورت دونوں کے حقوق وفرائض مقرر کیے ہیں اور میاں بیوی میں مساوات کا وسیع نظریہ پیش کیا مگر خاندان کی شیرازہ بندی کے لیے مرد کو عورت پر قوّام بنایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی وہ مقام اور عزت دی ہے جس کی وہ حق دار تھی۔

اسلام نے بھی مرد کو تعدد ازدواج کی اجازت دی مگر باقی مذاہب کے برعکس اس کی ایک حد مقرر کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے ضرورت اور عدل کی شرط کے ساتھ مشروط کیا تاکہ عورتوں کے حقوق کی نفی نہ ہو۔ تعصّب سے پاک غیر مسلم بھی اسلام کے اس قانون کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں۔

اسلام نے عورتوں کو جہاں اتنے حقوق دیے وہاں مطلقہ اور بیوہ عورت کو بھی دوبارہ

نکاح کرنے کی اجازت دی کیونکہ یہی فطرت کا تقاضہ ہے۔ کنواری کی نسبت بیوہ اور مطلقہ کا نکاح زیادہ ضروری ہے تاکہ وہ کسی برائی میں نہ پڑ جائے۔

اسلام نے شادی کے معاملے کو بہت آسان کر کے پیش کیا کہ مرد یا عورت نکاح کا پیغام بھیجے اور نکاح کی تاریخ مقرر کر کے چند آدمی لڑکی کے گھر جائیں اور وہاں گواہوں کی موجودگی میں نکاح پڑھایا جائے اور عورت کا حق مہر مقرر کیا جائے اور اگلے دن ولیمہ کر دیا جائے۔ بس نکاح مکمل ہو گیا۔

دوسری طرف ہمارے معاشرے نے ایسی ایسی رسومات کو شادی میں لازم کر لیا ہے کہ اب شادی کرنا عذاب نظر آتا ہے۔ غریب تو غریب امیر بھی شادی کرتے وقت پریشان نظر آتے ہیں حالانکہ مقالہ نگار نے دلائل سے بیان کیا کہ نکاح کا اسلامی معاملہ کتنا آسان اور قابل عمل ہے۔

نوٹ: ہمارے معاشرے میں پائی جانے والی شادی بیاہ کی رسومات کا اگر ہندو معاشرہ میں پائی جانے والی شادی بیاہ کی رسومات سے موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اکثر رسومات ہندوانہ ہیں۔ اس مقالہ کے باب دوم میں (جو ہندومت سے متعلق ہے)' آپ اپنے معاشرے میں پائی جانے والی رسومات بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔

آخر میں' میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس کی دی ہوئی توفیق سے میں نے اپنی بساط کے مطابق اس موضوع کے متعلق مستند حقائق پیش کرنے کی کوشش کی اور آخر میں اپنے موضوع کو سمیٹتے ہوئے حرف آخر بھی بیان کیا ہے تاکہ کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری اس سعی کو قبول فرمائے اور اسے میری اور میرے والدین کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین!

کتابیات

(حروفِ تہجی کے اعتبار سے)

	کتاب	مصنّف
✿	قرآن حکیم	
✿	آدابِ شہریت	ایم عبدالرحمٰن
✿	اَرتھ شاستر	کوتلیہ چانکیہ مترجم: سلیم اختر
✿	ارمغان وید: پُران اور شاستر کی روشنی میں	رام راج مترجم: عبدالرحمٰن صدیقی
✿	اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ	
✿	ازدواجی زندگی کے لیے اہم قانونی تجاویز	مولانا جعفر خان ندوی
✿	اسلامی شادی	مولانا اشرف علی تھانوی
✿	اسلامی تہوار ورسومات	پروفیسر رفیع اللہ شہاب
✿	اسلام میں حیثیتِ نسواں	محمد مظہر الدین صدیقی
✿	اسلام کا نظام عفت وعصمت	مولانا محمد ظفیر الدین
✿	اسلام کا فوجداری قانون	عبدالقادر
✿	اسلام اور عورت	عبدالقیوم ندوی
✿	اسلام کا معاشرتی نظام	ڈاکٹر خالد علوی
✿	اسلام کے عائلی قوانین	مولانا مجاہد الاسلام

✿	اسلام برائے مذاہب ہند	محمد فاروق کمال
✿	اشرف الہدایہ	مولانا جمیل احمد سکروڈھوری
✿	اصلاح الرسوم	مولانا اشرف علی تھانوی
✿	الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری
✿	المنجد	لوئیس معلوف الیسوعی
✿	بائبل کے زمانے کے رسوم ورواج	کے ایل ناصر
✿	پردہ	سید ابوالاعلیٰ مودودی
✿	پنجاب کے رسم ورواج کا انسائیکلوپیڈیا	ای ڈی میکلیگن مترجم: یاسر جواد
✿	تاریخِ اسلام	شاہ معین الدین ندوی
✿	تاریخِ اسلام	مولانا اکبر شاہ
✿	تاریخِ ہندوستان	ابوریحان البیرونی
✿	تاریخِ مذاہب	ڈاکٹر رشید احمد جالندھری
✿	تاریخِ تمدنِ ہند	محمد طیب
✿	تحفۃ الہند	لتھا سلوئی
✿	تمدنِ عرب	سید علی بلگرامی
✿	تمدنِ ہند	گستاؤلی بان مترجم: سید علی بلگرامی
✿	جدید فقہی مسائل (مکمل ومدلّل)	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
✿	جدید دنیا میں اسلامی قوانین اور خواتین	محمد صدیق خان شبلی
✿	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ مترجم: عبدالرحیم

خواتینِ ملت	مسلم بی اے
روح الاسلام	سید امیر علی مترجم: محمد ہادی حسین
رگ وید	سوامی دیانند سرسوتی مترجم: نہال سنگھ
روایات تمدن قدیم	علی عباس جلال پوری
ستیارتھ پرکاش	سوامی دیانند سرسوتی
سنسکار ودھی	سوامی دیانند سرسوتی
سیرت النبی ﷺ	سید سلیمان ندوی
سیرت ابنِ ہشام	ابو محمد عبدالملک بن ہشام
سیرتِ محبوب کائنات	عبدالمجید دہلوی
شادی کا شرعی معیار	مفتی اسداللہ نعمانی
شادی ایک مکمل مطالعہ	انعام الرحمٰن سحری
شادی کی تاریخ	ایڈروڈ ویسٹر مارک مترجم: محمد یحی خان
ضیاء النبی ﷺ	پیر کرم شاہ
عورت انسانیت کے آئینہ میں	ایم عبدالرحمٰن
عورت: قرآن وسنت وتاریخ کے آئینہ میں	ڈاکٹر عابد علی
عورت قبل از اسلام وبعد از اسلام	حافظ سید ضیاء الدین
عورت اسلامی معاشرہ میں	سید جلال الدین عمری
عورتوں کے بارے میں قرآنی احکامات	پروفیسر رفیع اللہ شہاب

فتاویٰ عالمگیری	مواہب الرحمٰن مترجم: سید امیر علی
کتاب مقدس (بائبل)	
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ	عبدالرحمٰن الجزیری مترجم: منظور احسن عباسی
قانون ورواجِ ہنود	جان ڈی مین مترجم: مولوی اکبر علی
قاموس الکتاب	ایف ایس خیراللہ
گیت اور زبور برائے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ کلیسا	مدیر: پادری صابر صادق
مجموعہ قوانینِ اسلام	ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن
مسلمان عورت	مولانا ابوالکلام آزاد
مسلم ثقافت ہندوستان میں	عبدالمجید سالک
معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی
منوسمرتی	منو
منودھرم شاستر	منو مترجم: ارشد رازی
منو کا قانون اور اسلامی قانون	عبدالقیوم جالندھری
ہدیۃ العروس	حافظ مبشر حسین
ہندوستان	ول ڈیورانٹ مترجم: طیب رشید
ہندوستانی تہذیب کی داستان	اے ایل باشم مترجم: ایس غلام سمنانی

عربی کُتب

(حروفِ تہجی کے اعتبار سے)

	کتاب	مصنّف
✿	الہدایہ	علی بن ابی بکر المرغینانی
✿	بدائع الصنائع	امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی
✿	سنن الترمذی	امام ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی
✿	سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی
✿	سنن ابن ماجہ	امام ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی
✿	سنن النسائی	امام نسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن علی
✿	شعب الایمان	امام بیہقی، ابی بکر احمد بن الحسین
✿	شرح وقایہ	تاج الشریعہ محمود بن احمد
✿	صحیح البخاری	امام بخاری، محمد بن اسماعیل
✿	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج القشیری
✿	طبقات الکبریٰ (طبقات ابن سعد)	محمد بن سعد
✿	مسند احمد	امام احمد بن حنبل الشیبانی
✿	مظاہر حق	محمد قطب الدین
✿	مصنف ابن ابی شیبہ	امام ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد
✿	نیل الاوطار	امام شوکانی، محمد بن علی بن محمد

تفاسیر

(حروفِ تہجی کے اعتبار سے)

	تفسیر	مفسّر
✿	بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی
✿	بیان القرآن	ڈاکٹر اسرار احمد
✿	تفسیر بیضاوی	ناصر الدین عبداللہ بن عمر البیضاوی
✿	تفسیر عثمانی	مولانا شبیر احمد عثمانی
✿	تفہیم القرآن	سید ابوالاعلیٰ مودودی
✿	روح المعانی	شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی
✿	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع
✿	ضیاء القرآن	پیر کرم شاہ

English Books & Sites

✿	Jewish Encyclopedia
✿	Encyclopedia of Religions & Ethics
✿	The Plain Truth, March 1988
✿	www.judaism101marriage.com
✿	www.marriage.com
✿	www.jewishviewsofmarriage.com
✿	www.marriageinjudaism.com

✿✿✿